ڈاکٹر غلام جیلانی برق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

ادارہ مطبوعات سلیمانی

ہیڈ آفس
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
: 042-7232788, 042-8414546
E-mail: idarasulemani@yahoo.com

چوبرجی برانچ : ۳-بی نیاز ویو سکیم عقب خان بابا ریسٹورنٹ
چوک چوبرجی لاہور۔
: 042-7312648,8401105

راولپنڈی : دکان نمبر 12، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک
اقبال روڈ، راولپنڈی 051-5551742 :

کراچی : جہانگیر بک ڈپو، نزد مقدس مسجد، اردو بازار
کراچی • فون: 021-2765086

ملتان : دواخانہ سلیمانی، بالمقابل محمد بن قاسم بلائنڈ سینٹر
کمہاراں والا چوک، ملتان 061-4042627 :

امام ابن تیمیہؒ

پانچ سو کتابوں کا مصنف، مجاہد، مجتہد اور
ہماری تاریخ کی ایک انقلاب آفرین شخصیت

⊙

آپ ایک خوش صورت اور نیک سیرت
انسان تھے۔ رنگ سفید، کندھے فراخ، آواز
بلند اور رسیلی، بال کالے اور گنجان اور آنکھیں
دو بولتی ہوئی زبانیں تھیں۔

علامہ ذہبیؒ (بحوالہ فوات الوفیات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

امام ابن تیمیہؒ کی جامع الصفات شخصیت بلاشبہ ملّتِ اسلامیہ کے لیے سرمایۂ صد افتخار ہے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اسلامی تعلیمات کو خالص کتاب اللہ اور سنّت رسول ﷺ کی بنیاد پر پیش کیا اور اس ضمن میں وہ تمام آلودگیاں جو یونانی افکار و خیالات کے زیرِ اثر اسلامی تعلیمات میں راہ پا رہی تھیں یا عجمی مذہبیّت کی حامل وہ صوفیانہ تعبیرات جو نیکی اور تقدس کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھیں امام نے ان سب کی تردید کی۔ ان کی حقیقت کو بے نقاب کیا اور ان کے بُرے اثرات سے عالمِ اسلام کو بچانے کے لیے عمر بھر سیف و قلم سے جہاد کرتے رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ امام کا وجود اپنے مخلصانہ جذبۂ دعوت، بے مثال جوشِ عمل اور نورِ حق سے منوّر فکر کے ساتھ آج بھی ہمارے درمیان مینارِ نور کی حیثیت رکھتا ہے جس سے دورِ جدید کا مادہ پرست اور خدا بیزار انسان اپنے ماحول کی تاریکیاں دور کر سکتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب امامِ موصوف ہی کے مختصر سوانح پر مشتمل ہے۔ اس میں محترم ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب نے نہایت اختصار اور سلیقے سے امام کی

لانے کی کوشش کی ہے۔ آج کے مصروف انسان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ ضخیم کتب کا مطالعہ کر سکے۔ اسے اختصار اور جامعیت مطلوب ہے اور یہی دو چیزیں اس کتاب کی تیاری میں ملحوظ رہی ہیں البتہ فاضل مُصنّف نے موجودہ ایڈیشن میں اسماء رجال، ان کے سنینِ وفات اور کتب حوالہ سے متعلق بعض مفید اضافے کیے ہیں جن سے کتاب کی علمی حیثیت اور افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کو پیش کرتے ہوئے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں دست بدعا ہیں کہ ملّتِ اسلامیہ کو عموماً اور اس کی نوجوان نسل کو خصوصاً امام ابن تیمیہؒ کے عظیم مقاصد کو اپنانے اور امام کے نقوش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فہرست

پیش لفظ

؎ معاشران گرہِ زلفِ یار باز کنید
شبے خوش است بایں قصہ اش دراز کنید

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ کے مناقب و سوانح کا ایک وسیع ذخیرہ عربی زبان میں موجود ہے۔ ان کے معاصرین و تلامذہ نے، نیز قرونِ لاحقہ میں کتاب و سنت کے معارف شناسوں نے اس نادرہ روزگار ہستی کے جمالِ سیرت کی دلآویزیوں کو منظرِ عام پہ لانے میں حتی الامکان کوتاہی نہ کی بلکہ اس لذیذ حکایت کو بار بار پھیلا کر بیان کیا۔

ع چناں کہ حرفِ عصا گفت موسیٰؑ اندر طور

ہندوستان میں سولھویں صدی ہی میں ذوقِ عربیت کی فرومائگی کا یہ عالم تھا کہ غریب عرفی کو پریشان ہو کر کہنا پڑا۔

مدارِ صحبتِ ما بر حدیثِ زیرِ لبی است
کہ اہلِ ذوق عوام اند و گفتگو عربی است

بعد ازاں تداولِ ایام سے جو ناسازگار حالات رونما ہوئے۔ ان کے اثرات و عواقب کی نسبت کچھ عرض کرنا غیر ضروری ہے۔ امام ممدوح کے مدارج و مناقب سے شناسائی تو ایک طرف جمہورِ ہند اُن کے نام سے بھی آشنا نہ ہو سکے۔

ع کہ بود و بل چہ بود و از کجا بود

نواب صدیق حسن خان مرحوم اور امرتسر کے غزنوی خاندان کی مساعیٔ جمیلہ سے امام کی عظمت کا ذکر یہاں شروع ہوا اور ان کی بعض تصانیف بھی چھاپی گئیں لیکن اس زمانے میں تخریب و تفریق کا فتنہ ہر حلقے میں مستولی ہو کر گروہ بندی کی تیرگیاں دلوں اور دماغوں پہ

چھائی ہوئی تھیں۔ حق و باطل کا معیار یہ نہ تھا کہ کتاب و سنت کا مدعا کیا ہے بلکہ ہر گروہ نے اپنے مخصوص معتقدات کے حصار گرد و پیش کھڑے کر لئے تھے اور حقیقت کو انہی حصاروں میں محدود و محصور سمجھا جاتا تھا۔ نواب صاحب مرحوم اور غزنوی خاندان کے افراد ایک خاص گروہ کے اکابر میں محسوب تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ امام ابن تیمیہ بھی اسی تعصب کیشی و حق ناشناسی کے ہدف بن گئے یعنی کسی نے یہ سوچنے اور دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ کہ کتاب و سنت کی نصرت۔ علوم و معارفِ دینیہ کی اشاعت اور وراثتِ کاملۂ نبوت کے حصول و حفظ میں امام ممدوح کا مقام و مرتبہ کیا ہے بلکہ غور و تحقیق کے بغیر فرض کر لیا گیا کہ آپ بھی اسی گروہ کے قائدوں اور سرخیلوں میں سے ہوں گے جو آپ کی مدح و ستائش میں رطبُ اللسان ہے لہٰذا آپ کے ساتھ عتاب و درشتی کا سلوک واجب ٹھہرایا گیا۔

ع جہل زیں بسیار کرد است و کند

ظنونِ فاسدہ و اوہامِ باطلہ کے اس ظلمت زار میں احقاقِ حق کی پہلی مشعل شمس العلماء مولانا شبلیؒ نے روشن کی۔ نَوَّرَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَرْقَدَہٗ یعنی امام کے احوال و سوانح پہ ایک مختصر سا مقالہ بہ زبانِ اُردو رقم فرمایا جو اُن کی مشہور کتاب مقالاتِ شبلی میں موجود ہے۔ اس میں پورے جزم کے ساتھ دعویٰ کیا کہ مجدّدیت کی جس قدر خصوصیتیں امام کے وجودِ مبارک میں جلوہ گر ہیں۔ ان کی نظیر بہت کم مل سکتی ہے اور ریفارمر یا مصلح و مجدّد کا اگر کوئی اصلی مصداق ہو سکتا ہے تو وہ ابنِ تیمیہؒ ہیں

ع خلعتے بود کہ بہ قامتِ او دوختہ بود

اس کے بعد اہلِ علم مصنّفاتِ امام کی جانب متوجہ ہوئے لیکن جس شخص نے امام کی ذات ان کے علوم و معارف اور مقام و مرتبت کو نہایت مؤثر و دِل آویز انداز میں خواص و عوام کے سامنے پیش کیا اور کتاب و سنّت کی اس متاعِ گراں بہا کو رواجِ عام کا قبالہ عطا فرمایا۔ وہ مولانا ابوالکلام آزادؒ ہیں جن کی خدماتِ دینی محتاجِ تشریح نہیں ہیں اور ابنِ تیمیہ کے مناقب و معارف کی اشاعت ان کے متعدد مشکور کارناموں میں سے ایک کارنامہ ہے۔

کی تنگ نظریوں سے الگ ہو کر سنت محضہ وخالصہ کی اشاعت کو اپنا نصب العین بنایا۔ جزئیات وفروع کے اختلافات سے یک قلم کنارہ کش ہو کر اصول واساساتِ دین کی تعلیم دی اس ضمن میں اس نقطۂ نگاہ کو ہر دلعزیز بنایا جو امام ابنِ تیمیہ کے لئے وجہ شرف و برتری تھا۔ جس زلالِ حق سے مستفید ہوئے بغیر ہی مختلف حلقے اس کی تلخی کے معتقد تھے۔ اس کے جام وسبو نہیں بلکہ خم کے خم ان کے حلق سے اتار دیئے یہاں تک کہ یہ لوگ خود بخود اپنے معتقدات کی بے اساسی کے قائل ہو گئے۔ یہ سب کچھ ہوا بلکہ امام ممدوح کی مصنفات کے اُردو تراجم کی طلب بھی پیدا ہو گئی اور کئی کتابوں کے ترجمے چھپ گئے لیکن اب تک ان کی سیرت کا کوئی جامع مرقع ہماری زبان میں موجود نہ تھا جس میں ہر پڑھا لکھا آدمی اس عجوبۂ روزگار وجود کی صحیح صورت دیکھ سکتا (حضرت مہر نے عمداً یا انکساراً اُس سیرت کا ذکر نہیں کیا جو آپ کے قلمِ سحر نگار کا نتیجہ ہے اور جو حضرتِ امام کے مفاخر ومناقب پہ ایک دلکش تحریر ہے۔ برق) اس باب میں شرفِ اولیت اللہ تعالیٰ نے میرے عزیز بھائی ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق کو عطا کیا جنھوں نے نہ محض اُردو ہی میں امام کے سوانح حیات کے متعلق ایک مبسوط کتاب مرتب فرمائی، بلکہ اس پایہ کی ایک کتاب انگریزی میں بھی لکھ ڈالی۔ (جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے شعبۂ عربی و فارسی میں محفوظ ہے۔ مصنف) اور ہمارے ملک میں اس وقت یہی دو متداول ترین زبانیں ہیں گویا اب کسی لکھے پڑھے آدمی کیلئے یہ عذر باقی نہیں رہا کہ امام کی شخصیت وحیثیت کی معرفت کا وسیلہ مہیا نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ میرے عزیز بھائی کی یہ کوشش مشکور ہو اور انہوں نے امام کی ذات کے ساتھ عشق ومحبت کی یہ کٹھن وادی جس یگانہ خلوص اور سچی تڑپ کے ساتھ طے فرمائی ہے اسے برکات وحسنات کا سرچشمہ بنائے

؎ مرحبا اے پیکِ مشتاقاں بدہ پیغامِ دوست
تا کنم جاں از سرِ رغبت فدائے نامِ دوست

امام ابنِ تیمیہ کون تھے؟ اسلام واسلامیت کے لئے جہادِ اکبر میں اُن کا مقام ومرتبہ کیا تھا کتاب وسنت کی سربلندی کے لئے کیا کیا خدمات انجام دیں؟ فضائل واخلاق میں اُن کا گوشۂ کلام کتنا بلند تھا؟ علامہ شبلی نے کہیں یہ فرمایا کہ مجددیت کے حقیقی خصوصیات ان کی ذات میں جلوہ گر

تھیں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے اور مُصلحِ اعظم کا لباس صرف انہی کے قامت پہ زیبا تھا؟ ان سوالات کے مفصّل جوابات آپ کو کتاب میں ملیں گے۔ "پیش لفظ" کی تنگنائی لذتِ تفصیل کی متحمل نہیں ہوسکتی لیکن یہ عرض کر دینا غالبًا بے محل نہ سمجھا جائے گا کہ علم و عمل کا کوئی صحیح اور مفید گوشہ اور دائرہ ایسا نہ تھا جس میں امام نے یگانگی کا عَلَم بلند نہ کیا۔ حفظِ علوم میں وہ عجوبۂ دہر تھے اتباعِ سنّت کا ایک نادر نمونہ تھے۔ فضائل و مفاخر میں وہ قرونِ اُولیٰ کا ایک جامع مرقع تھے تصنیف و تالیف کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی نشست میں ایسے ضخیم رسائل مرتب فرمائے جن کا مطالعہ بھی اتنے وقت میں اہلِ علم کے لئے مشکل ہوگا۔ نصرتِ حق میں ان کی پامردی و دلیری محیر العقول تھی۔ ان کی زندگی میں کئی ایسے کٹھن مرحلے پیش آئے جن کی ہیبت ناکی بڑے بڑے اربابِ عزائم کی ہمتوں میں تزلزل پیدا کر دینے کے لئے کافی تھی اور بہانہ تراشوں کے لئے ان مرحلوں سے بچ نکلنے کی کئی راہیں کُھل پڑی تھیں لیکن امام ابنِ تیمیہ کی دعوت سنت و عزیمت فی سبیل اللہ نے حیلہ و عذر کی بے چارگی کو ہمیشہ نفرت سے ٹھکرا دیا جس طرح کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پہ سے گزرنے والا سیلِ تند اپنے بہاؤ کے نشیب و فراز سے بے پرواہ ہوتا ہے اور ہمیشہ قوت و زور سے ہر رکاوٹ کو دُور کرتا ہے۔ اسی طرح امام کے عشقِ حقانیت کا سیل تند رو مدت العمر اس بے پناہی کے انداز میں بہتا رہا کہ کتاب و سنّت کی مقررہ حدود کے اندر کسی رکاوٹ کو در خورِ اعتنا نہ سمجھا بلکہ بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور ہمیشہ موانع کو توڑ کر اپنی راہ پیدا کی۔ امام اپنے وقت کے سب سے بڑے مجاہد تھے اور عام اصحابِ علم کی طرح ان کا جہاد محض زبان و قلم یا وعظ و تقریر تک محدود نہ تھا بلکہ جہاد بالسیف میں بھی وہ سب پہ سبقت لے گئے۔ مختلف اوصافِ حسنہ کے اس نادر اجتماع نے وقت کے ایک بزرگ شیخ عماد الدین واسطی کی زبان پہ بے اختیار یہ کلمات جاری کر دیئے تھے کہ "میں مکرر خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج آسمان کے نیچے ابن تیمیہ کا مثیل و نظیر دکھائی نہیں دیتا۔ نہ علم میں نہ عمل میں نہ اخلاق میں نہ اتباعِ حق میں۔ نہ شہرۂ کرم میں نہ کمالِ علم میں اور نہ اللہ اور اس کے شعائر کے حفظ و قیام میں۔ خدا کی قسم۔ ہم نے ابنِ تیمیہ کے سوا اس زمانے میں کوئی اور ایسا شخص نہ دیکھا جس کے اقوال و اعمال سے نبوّتِ محمدیؐ کے انوار اور سنّت کی روشنیاں یوں چھن چھن کر نکلتی

ہوں کہ ان کو دیکھ کر ہم بے اختیار بول اٹھیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی اتباع اسے کہتے ہیں ''

شیخ ابوحیان آپ سے ملاقات کرنے کے بعد پکار اُٹھے تھے۔

کُنّا نُحَدِّثُ عَنْ خَبرٍ یَجِیْئُ فَھا   اَنْتَ الْاِمَامُ الَّذِیْ قَدْ کَانَ یُنْتَظَرُ

ترجمہ : ہم ایک صاحب دانش کے آنے کا ذکر کیا کرتے تھے وہ امام منتظر تو ہی ہے۔

ہندوستان کی سرزمین میں آج نو کروڑ فرزندان توحید آباد ہیں لیکن کس قدر رنج و افسوس کا مقام ہے کہ اب تک ان کی ملکی زبان میں امام ابن تیمیہ جیسے نادر روزگار وجود اور عظیم المرتبت مجاہد کے مفصل سوانح حیات بھی مرتب نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب مستحقِ صد مبارکباد ہیں کہ انہوں نے یہ فرض کفایہ ادا کر کے ملتِ اسلامیہ ہند کو ممنون فرمایا۔ جس مقصد کو سامنے رکھ کر انہوں نے یہ کام انجام دیا۔ خدا کرے وہ پورا ہو یعنی یہ کتاب امام موصوف کے معارف کی رفتارِ اشاعت کو تیز تر کرے امام ممدوح کتاب و سنت کی اشاعت کا ایک روشن مینار تھے خدا کرے ہمارے ہندوستان کا ظلمت کدہ بھی اس نور کی جلوہ کاریوں سے مستنیر ہو۔

؎   ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

حضرت امام کے دو خط

کتاب میں امام کی سیرت کے تمام پہلو تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں اور مجھے اس بارے میں کسی مزید ذکر کی ضرورت نہ تھی لیکن العقود الدریہ (یہ کتاب سوانح امام کے مرتب ہونے کے بعد شائع ہوئی ہے) میں بعض ایسے خطوط موجود ہیں جن کا ذکر کتاب میں موجود نہیں۔ بس ان میں سے صرف دو خطوط کے اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک آپ کی والدہ محترمہ کے نام ہے اور دوسرا آپ کے چھوٹے بھائی بدر الدین کے نام۔

پہلا خط   والدہ ماجدہ کی طرف

'' حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ اس سرزمین میں ہمارا قیام فی الحال ضروری امور کے لئے ہے۔ اگر ان کی سرانجام دہی میں سستی کریں تو امور دینی و دنیوی میں اختلال کا اندیشہ ہے۔ خدا کی قسم آپ سے دوری ہمارے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں ہے

ہماری آرزو ہے کہ پرندے ہمیں اُڑا کر آپ کے پاس پہنچا دیں۔ اگر آپ کو حقیقت حال کا علم ہوتا تو یقیناً آپ وہی راہ اختیار کرتیں جو ہم نے اختیار کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر خیر و رحمت اور برکت و ہدایت کے ایسے دروازے کھول دیئے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھے ورنہ یہ آپ کو کبھی خیال نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم دنیا کے کسی معاملے کو آپ کے قرب پہ ترجیح دیتے ہیں۔ ہماری بہتری کیلئے دعا کی جائے۔ اللہ صاحبِ قدرت اور عالم الغیوب ہے۔ اور ہم محض بے بس ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابنِ آدم کی سعادت اللہ سے توفیق خیر طلب کرنے میں ہے جو کچھ پیش آئے۔ انسان اس پہ راضی رہے۔ ابنِ آدم کی بدبختی یہ ہے کہ وہ خیر طلبی چھوڑ دے اور ناسازگار واقعات میں گھبرا اٹھے۔ جس تاجر کو سفر میں مال کے ضائع ہو جانے کا ڈر ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مال کو سنبھالنے تک ٹھہرے جو مہم اس وقت ہمیں درپیش ہے۔ اُس کی اہمیت محتاج بیان نہیں والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ تمام اہلِ بیت۔ ہمسایوں، بزرگوں اور دوستوں کو فرداً فرداً سلام۔"

غور فرمایئے کہ اس مختصر سے مکتوب میں سیرتِ امام کے مختلف پہلو کس طرح آشکارا ہیں۔ والدہ ماجدہ سے انتہائی محبت ہے۔ ان کے قرب و خدمت کے مقابلے میں دنیا کے بڑے سے بڑے کاموں کو چھوڑ دینے کا سچا ولولہ ہے لیکن امورِ دینی کا سرانجام اس محبوب ترین خونی رشتے پر مقدم ہے پھر اس جہاد سے بوجہ احسن عہدہ برآ ہونے کے باوجود اپنی قربانیوں کا احساس تک نہیں بلکہ ہر نتیجہ کو صرف اللہ کی رحمت کا کرشمہ قرار دیتے ہیں اور بار بار خیر کے لئے دُعا کرتے ہیں۔

دوسرا خط — شیخ بدرالدین کی طرف

"حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ اللہ کی عنایت سے دین کی حمایت کلمۂ حق کی سربلندی اور اہلِ سنت والجماعت کی قوت کے اسباب مہیا ہوئے اور اربابِ بدعت و تفریق کو ذلت نصیب ہوئی۔ آپ جانتے ہیں کہ دین کے بڑے بڑے اصول تین ہیں۔

تالیف قلوب

(۲) اجتماع کلمہ

(۳) مسلمانوں کے درمیان مصالحت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا پھر فرماتے ہیں وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔

ان آیات میں اتحاد و ایتلاف کا حکم دیا گیا ہے اور افتراق و اختلاف سے روکا گیا ہے اس اصول کے پابند اہلِ سنت اور تارک اہلِ الافتراق ہیں۔ سنّت کا ماحصل رسولِ خدا کی پیروی کے بغیر اور کچھ نہیں۔ صحیح مُسلم میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے تین چیزیں پسند فرمائی ہیں۔

(۱) صرف اللہ کی عبادت۔

(۲) اللہ کی رسی کو مضبوط تھامنا۔

(۳) اپنے حاکموں کی خیر خواہی۔

مَیں اپنے دوستوں اور دشمنوں کا بلا استثنا خیر خواہ ہوں۔ میرے دِل میں کسی کے خلاف کوئی مَیل یا غصہ موجود نہیں بلکہ مَیں ان سب کی حسبِ مدارج تعظیم کرتا ہوں۔ ایک مجتہد کی تین حالتیں ہوسکتی ہیں یا تو وہ راہِ صواب پر ہے یا خطا پہ اور یا عمداً گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔ پہلی حالت میں وہ اجر کا مستحق ہے۔ دوسری حالت میں اس کی خطا معاف ہو جائے گی اور تیسری حالت کے مجتہد کے لئے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ اسے اور دیگر مومنوں کو بخش دے۔

میرے متعلق بہت سی افترا پردازیاں کی گئیں جو میرے لئے نیکی و رحمت کا سبب بن گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے نورِ حق سے کاذب کے بہتان کی تردید ہوگئی۔ مَیں پسند نہیں کرتا کہ میرے خلاف جھوٹ بولنے یا ظلم و عدوان کا مرتکب ہونے کی بنا پہ کسی کو سختی کا مستوجب ٹھہرایا جائے۔ مَیں تمام مسلمانوں کے لئے خیر کا خواہاں ہوں اور اس لئے سب کو معاف کرتا ہوں۔ باقی

رہے اللہ کے حقوق۔ تو اگر وہ لوگ توبہ کر لیں تو اللہ ان سے درگذر کرے گا۔ ورنہ اس کا حکم نافذ ہوگا۔ اگر کوئی شخص سوءِ عمل کی وجہ سے شکریہ کا مستحق ہوتا۔ تو میں ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتا جو میری مصیبتوں کا سبب بنے اور جن کی وجہ سے مجھے دنیا و آخرت کی نیکیاں نصیب ہوئیں۔ لیکن چونکہ صرف اللہ ہی تمام نعمتوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہے اس لئے میں صرف اسی ذات کا شکریہ ادا کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ مومن کی ہر ابتلا خیر و سعادت کا پیش خیمہ بنتی ہے۔"

اس کے بعد واقعہ افک کے سلسلے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"حضرت صدیقؓ مسطح بن اثاثہ کو مالی امداد دیا کرتے تھے چونکہ افک کے سلسلے میں مسطح نے بھی حصہ لیا تھا اس لئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے امداد بند کر دی جس پر یہ تہدید نازل ہوئی۔

لَا یَاتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسَاکِیْنَ وَالْمُهَاجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا۔ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

(ترجمہ) تم میں سے ارباب فضل و دولت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے انہیں چاہیئے کہ وہ عفو و درگذر سے کام لیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے گناہ بخش دے۔ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

اس آیت کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسطح کا وظیفہ دوبارہ جاری کر دیا۔"

اس خط کو بار بار پڑھیئے۔ امام ابن تیمیہ سے بڑھ کر دینی امور میں عبرت و حمیت کی مثال گذشتہ آٹھ صدیوں میں ملنی مشکل ہے لیکن دیکھئے کہ مخالفین کے ساتھ بھی ان کے رحم و کرم کا کیا عالم ہے۔ جن لوگوں نے انہیں اذیتیں دیں اور ان کے خلاف طرح طرح کی افترا پردازیوں سے مصائب کے طوفان کھڑے کئے ان کے متعلق دل میں کوئی ملال نہیں

بلکہ سب کے لئے نیکی و خیر کی دُعا ہے۔ اسلامی سیرت کے یہ مقدّس نمونے ہر جگہ نہیں مل سکتے۔

امام موصوف کی شخصیت کے یہ صرف چند خدوخال ہیں۔ پورا حُلیہ آپ کو کتاب میں ملے گا۔ عفو خواہ ہوں، کہ بادۂ گلگوں کے اِس لبریز جام کو بزم میں لانے کا وظیفہ میرے سپرد ہوا حالانکہ میرے پاس تلچھٹ کے سوا کچھ نہ تھا لیکن مامور تھا۔ اس لئے معذور سمجھیے۔

والحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ
وَالسّلام علیٰ سیّدنا وَ
مَولٰینا محمّدٍ وعلیٰ آلہٖ
وَصَحبہٖ اِلیٰ یومِ
الدِّین

غلام رسول مہر
لاہور۔ ۳ر فروری ۱۹۴۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

۱۹۳۴ء میں ایم اے عربی و فارسی سے فارغ ہونے کے بعد ڈاکٹریٹ کے لئے ایک مقالہ لکھنے کا خیال آیا۔ اس سلسلے میں یونیورسٹی کو آگے پیچھے کئی عنوانات بھیجے لیکن سب نامنظور ہو گئے۔ سال بھر کی بے نتیجہ مراسلت کے بعد خود لاہور گیا۔ شعبۂ عربی کے صدر قبلہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت چنگڑ محلہ میں رہتے تھے۔ مَیں نے اپنی مشکل پیش کی۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد فرمانے لگے۔ "کیا آپ امام ابنِ تیمیہ کے احوال و مقامات پر لکھ سکیں گے؟ مَیں نے کہا کہ کوشش کروں گا۔ فرمایا تو جائیے اور کام شروع کیجئے۔"

مَیں وہاں سے نکل کر چند دیگر اساتذہ سے ملا اور پوچھا کہ مواد کہاں سے لوں؟ اور کام کس منہج پر کروں؟ دوسری صبح یونیورسٹی لائبریری میں گیا۔ چند کتب نکلوائیں اور واپس چلا گیا۔

چونکہ ہوشیارپور میں کوئی ایسا عالم، محقق یا پروفیسر نہیں تھا جو تحقیق کے جدید اسلوب سے آگاہ ہو۔ اس لئے جو ذہن میں آیا وہ کرتا گیا۔ البتہ کبھی کبھی ڈاکٹر محمد دین تاثیر (اس وقت ایم اے او کالج، امرتسر کے پرنسپل) اسلامیہ کالج، لاہور کے پروفیسر عربی ڈاکٹر محمد برکت علی قریشی، گورنمنٹ کالج لاہور کے عربی پروفیسر ڈاکٹر محمد صدر الدین اور اپنے بڑے بھائی پروفیسر محمد نور الحق، اورینٹل کالج، لاہور سے کچھ نہ کچھ بذریعہ خطوط پوچھ لیتا چار سال کی مسلسل محنت کے بعد کتاب اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں تیار ہو گئی

لہ مَیں ان دنوں گورنمنٹ کالج ہوشیارپور میں معلّم تھا۔ وہاں ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۹ء تک کام کیا تھا۔

اُردو کتاب تو مَیں نے مکتبہ اردو۔ لاہور کو دے دی اور انگریزی نسخہ یونیورسٹی کو بھیجنے سے پہلے برائے تبصرہ استاذِ محترم مولوی محمد شفیع صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ایک ہفتے کے بعد لکھا:

"آپ نے مواد بہت محنت سے فراہم کیا ہے لیکن ناواقفیت اور مناسب نمونوں کے پیشِ نظر نہ ہونے سے متعدد خامیاں رہ گئی ہیں۔ مثلاً

۱۔ کلمات نسبت بلا تحقیق غلط سلط درج کئے گئے ہیں

۲۔ حوالے بقیدِ صفحہ نہیں ہیں۔

۳۔ ضبطِ اعلام میں بھی غلطیاں ہیں۔

۴۔ ضبطِ حرکات و حروف کا طریقہ غیر محمود ہے۔

۵۔ مصنفاتِ امام کی اہمیت کو ظاہر کرنے کی طرف توجہ کم دی گئی ہے۔

(مکتوب محررہ ۴۔ نومبر ۱۹۳۸ء)

اس تبصرے سے میرے حواس اُڑ گئے۔ چار سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب کی ہیئت ترتیب اور مواد کو بدلنا آسان کام نہ تھا تاہم چھ ماہ اور لگائے۔ یہاں وہاں کچھ تبدیلیاں کیں اور مولانا کو بتائے بغیر کتاب یونیورسٹی کے حوالے کر دی۔ چند روز بعد دہلی میں معارفِ اسلامیہ کے سلسلے میں ایک سہ روزہ اجلاس ہوا جس میں ہندوستان بھر سے بڑے بڑے عالم شامل ہوئے تھے مثلاً"

۱۔ ڈاکٹر ہادی حسن — علی گڑھ

۲۔ مولانا محمد اسلم — جیراج پوری

۳۔ خواجہ حسن نظامی۔

۴۔ جسٹس سر سلیمان — الٰہ آباد

۵۔ مولانا مناظر احسن گیلانی۔

۶۔ مولانا عبدالعزیز میمن — علی گڑھ

۷۔ پروفیسر محمود شیروانی

۸۔ ڈاکٹر محمد اقبال لاہور یونیورسٹی۔

۹۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع وغیرہ وغیرہ۔

وہاں میں نے بھی امام ابنِ تیمیہ پہ ایک مقالہ پڑھا تھا ہال سے باہر نکلے تو استاذِ محترم نے پوچھا "آپ کے مقالے کا کیا ہوا؟" میں نے کہا کہ یونیورسٹی کو بھیج چکا ہوں۔ فرمانے لگے۔ "بہت جلد بازی سے کام لیا ہے"

ایک آدھ ماہ بعد مجھے یونیورسٹی نے اطلاع دی کہ میرے مقالے کو پرکھنے کیلئے دو مستشرق مقرر کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک ہارورڈ یونیورسٹی کا پروفیسر تھا اور دوسرا انگلستان کی ایک یونیورسٹی کا۔ سولہ ماہ کی انتظار کے بعد یونیورسٹی نے مجھے کامیابی کی اطلاع دی اور ساتھ ہی ممتحنین کا تبصرہ بھی بھیجا۔ وہ یہ تھا۔

"......(کچھ خوبیاں بیان کرنے کے بعد)..... دوسری طرف اس کتاب میں کچھ خامیاں بھی ہیں مثلاً"

۱۔ اندازِ تحقیق سائنٹیفک نہیں۔

۲۔ ابنِ تیمیہ کی تخلیقات کا تاریخی پس منظر نہیں بتایا گیا۔

۳۔ بعض ناموں کے ہجے غلط ہیں۔

۴۔ حوالوں میں کتابوں کے سامنے صفحات درج نہیں کئے گئے

اس کے بعد مولینا محمد شفیع صاحب نے مجھے دو تین مرتبہ فرمایا بھی کہ مقالے کے نقائص دُور کیجئے لیکن مَیں فرصت کے انتظار میں رہا۔ یہ فرصت مجھے ۱۹۷۲ء کے اواخر میں میسّر آئی۔ ہوا یوں کہ معجم القرآن سے فارغ ہو کر میں مختلف کتب کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ "ابنِ تیمیہ" (اردو) سامنے آگئی۔ اسے دیکھا تو چند چیزیں بہت کھٹکیں۔ یعنی ۱۔

۱۔ علماء کے نامکمل نام جو سکونتی۔ نسبی اور مسلکی نسبتوں سے مُعرّا تھے۔ اگر کسی عالم کا پورا نام حافظ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عبدالہادی بن عبدالحمید..... بن قدامۃ المقدسی الحنبلی تھا تو مَیں نے صرف ابنِ قدامۃ لکھنے پہ اکتفا کی تھی۔ باقی اسماء سے بھی یہی سلوک کیا تھا۔

۲۔ ناموں کے آگے تاریخ وفات درج نہ تھی۔

۳۔ حوالے ناقص تھے۔ کتابوں کے سامنے صفحات کا اندراج نہیں تھا۔

۴۔ کتابیات میں سالِ طبع اور مقامِ اشاعت کا ذکر نہیں تھا۔

خیال آیا کہ اگر یہ نقائص میں نے دُور نہ کیے تو اور کون کرے گا چنانچہ میں نے دوبارہ ماٗخذ کی تلاش کی۔ ان کی مدد سے ننانوے فیصد نقائص دُور کیے اور اس سلسلہ میں بعض ایسی کتابوں سے بھی مدد لی جو میری اس کتاب کے بعد شائع ہوئی تھیں مثلاً ابوزہرہ مصری اور پروفیسر عمری کوکن کی "ابن تیمیہ" پنجاب یونیورسٹی کا دائرۃ المعارفِ اسلامیہ شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ احمد بن حنبل۔ علمائے اسلام وغیرہ۔

اس کتاب کی ضرورت

گو "ابن تیمیہ" پر پروفیسر عمری اور پروفیسر زہرہ کی مفصل کتابیں آچکی ہیں لیکن میری کتاب کی ضرورت پھر بھی محسوس ہوتی رہے گی۔ اوّلاً۔ اس لئے کہ یہ مختصر ہے۔ عمری کی کتاب ۶۷۲ صفحات پہ مشتمل ہے اور ابوزہرہ کی ۵۷۲ صفحات پہ۔ آدمِ جدید کو اتنی ضخیم کتابیں پڑھنے کی فرصت اور انہیں خریدنے کی ہمت کہاں؟ ثانیاً۔ میری کتاب اس موضوع پہ پہلی کتاب تھی اور اس میں مختصراً وہ سب کچھ موجود ہے جو عمری و ابوزہرہ نے تفصیلاً بیان کیا ہے۔

امام ابن تیمیہ ہماری تاریخ کی ایک منفرد شخصیت تھی۔ آپ نے مختلف مسائل پہ کوئی پانچ سو کتابیں لکھیں۔ تاتاریوں اور شام کے بعض جرائم کار قبائل کے خلاف جہاد کیا۔ چھ برس جیل میں بھی رہے۔ گو آپ کو گذرے آج ساڑھے چھ سو سال ہو چکے ہیں لیکن آپ کی بلند اور رسیلی آواز فضائے دہر میں بدستور گونج رہی ہے۔ میں چاہتا تو یہ تھا کہ اس بطلِ جلیل کے اوصاف و اعمال پہ کچھ تفصیل سے لکھوں لیکن اتنی فرصت۔ ہمت اور علیت کہاں سے لاتا۔ مجبوراً ان چند اوراق پہ اکتفا کر رہا ہوں۔ میری یہ تحریر اس عظیم المرتبت انسان کی خدمت میں ایک حقیر سا نذرانۂ عقیدت ہے۔ اے اللہ اسے قبول فرما۔

برق۔ کیمل پور

جمعہ ۲۳ فروری ۱۹۷۳ء مطابق ۱۹ محرم ۱۳۹۳ھ

باب اوّل

ابتدائی زندگی

نام و نسب آپ کا اسمِ گرامی احمد تھا۔ جب فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کے اوصاف و تحصیلات کی شہرت دُور دُور تک پہنچی تو آپ کے مداحوں نے آپ کے نام کے ساتھ تقی الدّین۔ ابوالعبّاس کا بھی اضافہ کر دیا۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے۔

تقی الدّین ابوالعبّاس احمد بن شیخ شہاب الدّین ابوالمحاسن عبدالحلیم بن مجدالدّین ابوالبرکات شیخ عبدالسّلام بن ابو محمد عبداللہ بن ابوالقاسم الخضر بن محمد بن الخضر بن علی بن عبداللہ بن تیمیّہ الحرّانی۔ (کواکب ص۱۳۹۔ الدّرّ الوافر ص۱۵)

کُنیت اس خاندان کے تمام افراد تیمیّہ کی طرف منسوب تھے۔ تذکرہ نگاروں نے اس کی دو توجیہیں پیش کی ہیں۔

اوّل، کہ احمد کے ایک جدّ امجد ابو محمد عبداللہ بن خضر حج کو گئے۔ راہ میں شمالی عرب کی ایک بستی تیما[1] میں ٹھہرے اور وہاں ایک پیاری سی بچّی دیکھی۔ حج سے واپسی پہ آپ کے ہاں بھی ایک بچّی پیدا ہوئی جو تیما کی بچّی سے اتنی ملتی جُلتی تھی کہ عبداللہ دیکھتے ہی بول اُٹھے یا تیمیّہ۔ یا تیمیّہ (کواکب ص۱۳۹)

اس توجیہہ پہ مشہور مؤرخ ابنِ خلکان ۶۷۹ھ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ تیما کا اسم نسبت تیماویہ بنتا ہے نہ کہ تیمیّہ (ابنِ خلکان وفیات جلد۔ ۲۔ ص۳۴۸)

ایک اور سوال یہ ہے کہ کیا تیما کی لڑکی سے مشابہت اتنی بڑی چیز تھی کہ عبداللہ کے تمام بیٹے۔ پوتے اور پڑپوتے اپنے آبا وَ اجداد کو چھوڑ کر ایک خاتون کی طرف منسوب ہونے پہ ناز کرنے لگے؟

---

[1] تیما۔ مدینہ سے ۲۴۰ میل شمال۔ اردن سے ۱۶۰ میل جنوب اور بحیرۂ قلزم سے ۲۰۰ میل مشرق کی طرف واقع ہے۔

اس کی دوسری توجیہہ حافظ ابنِ رجب ۷۹۵ھ نے پیش کی ہے۔ آپ محمد بن النجار[۱] ۶۴۳ھ کی روایت سے لکھتے ہیں کہ تیمیہ ابوالقاسم الخضر کی دادی کا نام تھا۔ یہ اتنی بڑی عالمہ و فاضلہ تھی کہ سارا خاندان اس کی طرف منسوب ہوگیا (ابن رجب، طبقات الحنابلہ تذکرۂ فخرالدین بن تیمیہ)

یہ توجیہہ زیادہ معقول معلوم ہوتی ہے اس کی تائید[۲] حافظ ابنِ کثیر ۷۷۴ھ کے ایک قول سے بھی ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ امام موصوف کی ایک دُور کی دادی کا نام تیمیہ تھا (اختصار علوم الحدیث ص۲۹۶)

تاریخ ولادت

تمام تذکرہ نگار تین باتوں پر متفق ہیں۔ اوّل، کہ احمد کی ولادت پیر کو ہوئی تھی۔ دوم، وہ ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔ سوم، سالِ ہجرت ۶۶۱ تھا لیکن تاریخ کے متعلق اختلاف ہے بعض ۱۰ ربیع الاوّل لکھتے ہیں اور بعض ۱۲، چونکہ شمسی و قمری تقاویم کے مطابق ۱۲ ربیع الاوّل ۶۶۱ھ کو پیر تھا اس لئے یہی تاریخ صحیح ہے

---

[۱] ابن النجار کئی علماء کی کنیت تھی مثلاً

۱۔ حافظ محب الدین۔ ابوعبداللہ محمد بن محمود بن حسن بن ھبۃ اللہ عرف ابن النجار البغدادی (۵۷۸۔۶۴۳ھ) اس نے تاریخ بغداد (خطیب) کی ذیل ۳۰ جلدوں میں لکھی تھی۔ (دائرۃ المعارف۔ فرید وجدی۔ ج۔ ۱۰۔ ص۳۴۳)

۲۔ محمد بن جعفر بن محمد بن ہارون بن فردہ بن ناجیہ بن ابوالحسن تمیمی نحوی۔ عرف ابن النجار کوفی ۴۰۲ھ تاریخ الکوفہ کا مصنف (یاقوت، معجم الادباء۔ ج۔ ۶۔ ص۴۶۷)

۳۔ فخرالدین ابوالحسن علی بن احمد بن عبدالواحد المقدسی الحنبلی عرف ابن النجار ۵۹۵ تا ۶۹۰۔ یہاں مراد اوّل الذکر ہے۔

[۲] ابن تیمیہ قلمی از ابوالعباس احمد بن الشیخ ابوبکر الطبرانی الکاملی۔ یہ مخطوطہ صرف تالیف ہے تصنیف نہیں۔ اس میں مؤلف نے ابنِ کثیر۔ ذہبی۔ ابن عبدالہادی۔ ابن فضل اللہ العمری۔ البرزالی اور سراج الدین ابوحفص عمر کی تحریرات ابن تیمیہ پر جمع کردی ہیں۔

سکونت

احمد کے آباؤ اجداد صدیوں سے شام کے ایک شہر حرّان میں آباد تھے یہ وہی شہر ہے جہاں تقریبًا دو ہزار ق.م میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آذر بابل سے ہجرت کر کے گئے تھے۔ یہ شہر صدیوں تک حدودِ شام میں رہا۔ لیکن اب ملکی سرحدات میں تغیر کی وجہ سے یہ ریاستِ ترکی کا حصہ بن گیا ہے۔ یہ دمشق سے تین سو میل اور حلب سے ۱۲۰ میل شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس پر مسلمانوں نے ۱۷ھ میں قبضہ کیا تھا۔

ہجرت

احمد کے ابتدائی چھ سال حرّان ہی میں گذرے جب تاتاریوں نے اس شہر پر حملہ کیا اور لوگ گھروں کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھاگ نکلے تو آپ کے والد عبدالحلیم بھی دمشق کی طرف چل دیئے۔ کتابوں سے بھرا ہوا ایک چھکڑا ساتھ تھا جسے خود گھسیٹتے۔ ایک دفعہ یہ کیچڑ میں پھنس گیا اور اسے نکالنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔ آخر ہار کر وضو کیا۔ دوگانہ ادا کرنے کے بعد دُعا مانگی۔ فارغ ہو کر پھر زور لگایا اور چھکڑا نکل آیا۔ ۶۶۷ھ کے آخر میں دمشق پہنچے اور وہیں اقامت اختیار کر لی (کواکب ص۱۳۹)

تعلیم

تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ابتدائی تعلیم حرّان میں ہوئی تھی۔ دمشق میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ نے وہاں مدرسہ حنبلیہ اور دارُالحدیث السکریہ کے فاضل اساتذہ سے مختلف علوم کا درس لیا پھر وہاں سے نکل کر دیگر علمی مراکز میں پہنچے اور مختلف اساتذہ سے صَرف و نحو۔ منطق۔ معقول۔ فقہ۔ ادب۔ حدیث اور تفسیر پڑھی۔ ابھی شباب کے ابتدائی مراحل ہی میں تھے کہ آپ کی ذہانت و قابلیت کے چرچے ہونے لگے۔ علّامہ ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں۔

"احمد ابھی شباب کے ابتدائی مراحل میں تھا کہ وہ مدارس اور علمی محافل میں جاتا۔ وہاں مذاکرات و مناظرات میں علمی قابلیت کے وہ جوہر دکھاتا کہ بڑے بڑے عالم دنگ رہ جاتے اس وقت اس کی عمر ۱۹ برس تھی یا اس سے بھی کم۔" (کواکب ص۱۴۳)

شیخ علم الدین برزالی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ابنِ تیمیہ کی ایک ایسی تحریر دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کے حاشیے پر علّامہ ذہبی نے لکھا تھا۔ قرأ القرآن والفقہ و ناظرَ

واستدلّ وَھُوَ دُوْنَ البلوغ ۔ (کواکب ص۱۴۶) (احمد بلوغ سے پہلے قرآن و فقہ پڑھ چکا تھا اور علمی مناظروں میں شامل ہوتا تھا ۔)

حافظہ آپ ایک زبردست قوتِ حافظہ کے مالک تھے۔ جمال الدین ابوالمظفر یوسف بن محمد العبادی۔ العقیلی السّرمدی (۷۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

• ابنِ تیمیہؒ کے حافظہ کا یہ عالم تھا۔ کہ جب کوئی کتاب پڑھ لیتا تو اُسے یاد ہو جاتی اور وہ اس کی عبارات اپنی تصانیف میں حافظہ سے نقل کرتا " (الرد - ص۴۲)

آپ نے ایک حکایت بھی لکھی ہے کہ ایک دفعہ بچپن میں اُسے اس کے والد نے کہا کہ آؤ آج سیر کو چلیں لیکن احمد نے معذرت کی جب شام کو آپ کے والد اور بھائی واپس آئے اور پوچھا کہ دِن بھر کیا کرتے رہے ہو تو احمد نے ایک کتاب دکھا کر کہا کہ میں اسے یاد کر چکا ہوں۔ والد نے امتحان لیا تو انہوں نے ہر عبارت حافظہ سے سنا دی۔ اس پہ والد نے اس کی آنکھوں کو چُوم کر کہا۔ اللہ تمہیں چشمِ بد سے محفوظ رکھے (الرد - ص۴۳)

ذہبی لکھتا ہے کہ جب آپ اسکندریہ کے جیل میں محبوس تھے تو ایک دِن داروغہ زنداں نے آپ سے چند احادیث لکھنے کی التماس کی۔ آپ نے حافظہ سے اسے دس اوراق مع اسانید لکھ کر دیئے جو مقابلہ کرنے پہ بالکل صحیح نکلے (الرد - ص۴۱)

حافظ سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن موسٰی البزار (۷۴۹ھ) اپنی کتاب الاعلام العلیّہ فی مناقب ابنِ تیمیّہ میں لکھتے ہیں۔

قلّ کتاب من فنون العلم اِلاّ و قد وَقفَ علیہ فکان اللہ تعالیٰ قد خصّہ بسُرعۃ الحِفظ و بطء النِسیان (کواکب۔ ۱۵۰)

علوم و فنون کی شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس سے احمد واقف نہ ہو۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ گویا اللہ نے تیز حافظے اور نہ بھولنے کی دولت سے صرف احمد کو نوازا تھا)

ابنِ قدامہ۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عبدالہادی المقدسی (۷۴۴ھ) فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حلب کے ایک شیخ دمشق میں آئے اور احمد کا پتہ پوچھنے لگے ایک

خیاط[1] (درزی) نے انہیں بتایا کہ یہ اس کے سکول جانے کا وقت ہے اور یہی اس کا راستہ ہے. تھوڑی دیر کے بعد درزی نے کہا کہ وہ دیکھو احمد بڑی سی تختی لئے آرہا ہے۔ شیخ اس کے پاس گئے. اس کی تختی پر گیارہ یا تیرہ احادیث لکھیں جنہیں احمد نے صرف ایک مرتبہ پڑھ کر یاد کر لیا اور پھر حافظہ سے سُنا دیں. اس کے بعد چند اسانید لکھیں. وہ بھی صرف ایک دفعہ دیکھ کر دُہرا دیں. شیخ فرطِ حیرت سے کہنے لگا۔

"اللہ نظرِ بد سے محفوظ رکھے. اگر یہ بچہ زندہ رہا تو ایک بڑا انسان بنے گا۔ فَاِنَّ ھٰذا لَمْ یرِ مِثْلہٗ. مَیں نے ایسا بچہ کبھی نہیں دیکھا۔"

(تذکرۃ العقود الدریہ ص۴)

اساتذہ

حافظ ابن قدامہ فرماتے ہیں:۔ شیوخہٗ الَّذِیْنَ سمِعَ مِنْھُمْ اکثر مِنْ مِائتی شیخ۔ (کواکب ص۱۳۹) احمد کے اساتذہ کی تعداد دو سَو سے زیادہ تھی) ان[2] سے احمد نے بیس سال تک فیض پایا. ان میں بعض کے نام یہ ہیں۔

۱۔ شیخ زین الدین ابو العباس احمد بن عبد الدائم بن نعمۃ بن احمد بن محمد نابلسی مقدسی (۵۷۵-۶۶۸ھ) یہ دمشق میں رہتے تھے اور وہیں وفات پائی (عمری، ابن تیمیہ ص۵۹)

۲۔ شمس الدین ابو محمد عبداللہ بن شیخ شرف الدین محمد بن عطا بن حسن الاذرعی الحنفی (۵۹۵-۶۷۳ھ) یہ دمشق میں پڑھاتے تھے. کچھ عرصے کے لئے مصر میں بھی قاضی رہے (ایضاً ص۶۰)

۳۔ شمس الدین ابو محمد عبدالرحمٰن بن شیخ ابو عمر محمد بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی (۵۹۷-۶۸۲ھ)

---

[1] ہو سکتا ہے کہ بتانے والے کا نام ہی خیاط ہو. بات صاف نہیں ہے۔

[2] شمار ۳ تا ۲۳ کا ماخذ ایک ہی ہے. یعنی (عمری، ص ۶۰-۶۷)

۴- مجد الدین ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن عثمان بن المظفر بن ہبۃ اللہ بن عساکر الدمشقی (۵۸۷-۶۶۹ھ)

۵- ابو محمد عبدالواسع ابوبکر بن محمد بن ابی بکر الہروی (۵۹۴-۶۷۳ھ)

۶- کمال الدین ابو زکریا یحییٰ بن منصور بن ابی الفتح بن رافع بن علی بن الصیرفی الحرانی (۶۶۸ھ - زندہ)

۷- جمال الدین ابو الفرج عبدالرحمان بن سلیمان بن سعید بن سلیمان الحرانی البغدادی (۵۸۵-۶۷۰ھ)

۸- زین الدین ابوبکر محمد بن ابی طاہر اسماعیل بن عبداللہ بن عبدالمحسن الانماطی (۶۰۹-۶۸۴ھ)

۹- جمال الدین ابو حامد محمد بن علی بن محمود بن احمد بن علی بن الصابونی (۶۰۴-۶۸۰ھ)

۱۰- تقی الدین ابو محمد اسماعیل بن ابراہیم بن ابی الیسر التنوخی (۵۸۹-۶۷۲ھ)

۱۱- کمال الدین ابو نصر عبدالعزیز بن عبدالمنعم بن الخضر۔ دمشق میں مدرس تھے۔ (۵۸۵-۶۷۲ھ)

۱۲- کمال الدین ابو اسحاق ابراہیم بن احمد بن اسماعیل بن فارس التمیمی السعدی (۵۹۶-۶۷۶ھ)

۱۳- شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن عبدالمنعم بن عمر بن عبداللہ بن عزیز بن القواس الطائی (۶۰۱-۶۸۲ھ)

۱۴- زین الدین ابو العباس احمد بن ابی الخیر سلامہ بن ابراہیم بن سلامۃ بن الحداد الدمشقی (۶۰۹-۶۸۷ھ)

۱۵- عماد الدین ابو محمد عبدالرحمان بن ابی الصعر بن السند بن الصائغ الانصاری (۶۷۹ھ)

۱۶- امین الدین ابو محمد القاسم بن ابی بکر بن قاسم بن غنیمۃ الاربلی (۵۹۵-۶۸۰ھ)

۱۷- ابوبکر بن عمر بن یونس المزی الحنفی (۵۹۳-۶۸۰ھ)

۱۸- نفیس الدین ابو القاسم ہبۃ اللہ بن محمد بن علی بن جریر الحارثی الشافعی (۶۰۷-۶۸۰ھ)

۱۹- شمس الدین ابوالغنائم المسلم بن محمد بن مُسلم مکی بن خلف بن غیلان القیسی الدمشقی (۵۹۴-۶۸۰ھ)

۲۰- ابن النجار- فخرالدین ابوالحسن علی بن احمد بن عبدالواحد المقدسی الحنبلی (۵۹۵-۶۹۰ھ)

۲۱- ابویحیٰی اسماعیل بن ابی عبداللہ بن حماد بن عبدالکریم العسقلانی (۵۹۹-۶۸۲ھ)

۲۲- امّ العرب فاطمہ بنتِ ابی القاسم علی بن ابی محمد القاسم بن ابی القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ بن عبداللہ... بن عساکر (۵۹۸-۶۸۳ھ)

۲۳- امّ محمد زینب بنتِ احمد بن عمر بن کامل المقدسیہ (۶۰۱-۶۸۷ھ)

آپ کے شاگرد

آپ ۶۸۲ھ تک علم حاصل کرتے رہے۔ پھر سلسلۂ تدریس شروع کر دیا جو ۷۲۸ھ تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں بے شمار لوگوں نے آپ سے فائدہ اٹھایا۔ ان میں سے بہت مشہور یہ ہیں۔

(۱) ابنِ قیّم- شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن بکر بن ایّوب بن سعد الذرعی (۶۹۱-۷۵۱ھ) دمشق میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد دمشق کے مدرسۃ الجوزیہ کے قیّم (نگران و ناظم) تھے اور اسی بناء پر انہیں ابن قیّم کہا جاتا ہے۔ آپ ۷۱۳ھ سے ۷۲۸ھ تک دمشق میں ابن تیمیہ کے ساتھ رہے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی تصانیف کی تہذیب۔ تبویب اور تدوین ابن قیّم ہی نے کی تھی۔ خود ابن قیّم تقریباً ۵۰۔ کتابوں کے مصنّف تھے چند عنوانات یہ ہیں۔

۱- اجتماع الجیوشں الاسلامیہ
۲- التبیان فی اقسامِ القرآن۔
۳- زاد المعاد
۴- شفاء العلیل۔
۵- کتابُ الروح
۶- کتابُ الصراط المستقیم۔

(دائرہ المعارف الاسلامیہ پنجاب۔ ج۔ ۱ صـ ۶۵۱)

(۲) ذہبی- حافظ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن قیماظ بن عبداللہ دمشقی (۶۷۳-۷۴۸ھ) سبکی فرماتے ہیں۔ اس عہد میں صرف چار بڑے بڑے حافظ تھے (۱) المزی (۲) البرزالی (۳)

علامہ ذہبی اور (۴) والدِ سُبکی۔
آپ کو استاد سے بہت عقیدت تھی۔ اپنی تصانیف میں بار بار استاد کا ذکر کرتے ہیں۔ انکی بعض تصانیف کے نام درج ذیل ہیں۔

تاریخ الاسلام الکبیر (۲۱ جلد) میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔ طبقات الحفاظ۔ مختصر تاریخ بغداد للخطیب۔ مختصر تاریخ ابن السمعانی۔ مختصر وفیات المنذری۔ مختصر تاریخ دمشق۔ مختصر الفاروق لشیخ الاسلام الانصاری۔ مختصر تاریخ نیشاپور للحاکم۔ مختصر رد الرافضہ للشیخ ابن تیمیہ، مختصر العلم لابن عبد البر۔ مختصر سلاح المومن۔ کتاب سیرۃ الحلاج۔ کتاب الکبائر۔ کتاب العرش۔ کتاب احادیث الصفات کتاب الشفاعہ۔ کتاب صفۃ النار۔ کتاب رویۃ الباری۔ کتاب التلویح۔ تقویم البلدان۔ ترجمۃ السلف بالۃ البدر۔ معجم الکبیر والوسط والصغیر (علمائے اسلام ص۹۳)

(۳) حافظ عماد الدین[1] اسمٰعیل بن عمر بن کثیر البُصری (۷۰۱ھ۔ ۷۷۴ھ) شام کے قصبے بُصریٰ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی علمیت و فضیلت کا ہر سُو چرچا تھا۔ ابن حجر العسقلانی جیسا فاضل دوران آپ کے حلقۂ درس میں شامل تھا۔ بارہا حمایت استاد کی بنا پہ اسیر بلا ہوئے آپکی تصانیف میں سے البدایۃ والنہایۃ اور طبقات الشافعیہ کو بے حد شہرت حاصل ہے۔

(۴) حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عبد الهادی بن عبد الحمید...... بن قدامہ المقدسی الحنبلی (۷۴۴ھ)۔ آپ ابن تیمیہ کے مایۂ ناز شاگردوں میں سے تھے

---

[1] "عماد الدین" چار ناموں کا جزو تھا۔

اوّل۔ عماد الدین ابو الفدا اسمٰعیل بن محمد بن بردس بن نصر بن بردس بن رسلان البعلبکی الحنبلی (۷۲۰-۷۸۶ھ)

دوم۔ عماد الدین ابو الفدا اسمٰعیل کا بیٹا ابو عبد اللہ محمد...... بن رسلان البعلبکی الحنبلی (پ۔ ۷۴۵ھ)

سوم۔ عماد الدین ابو الفدا اسمٰعیل بن ابو حفص عمر بن کثیر بن ضوٗ بن کثیر بن ضوٗ بن زرع القرشی البُصری ثم الدمشقی الشافعی (۷۰۱-۷۷۴ھ)۔ دنیائے علم میں یہ ابنِ کثیر کے نام سے مشہور ہیں۔

چہارم۔ ابو العباس احمد بن عماد الدین اسماعیل بن خلیفہ بن عبد المتعال الدمشقی مفتیٔ شام

آپ نے استاد کے سوانح حیات تفصیل سے قلمبند کئے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔
میں ابن تیمیہ کے ہاں جایا کرتا تھا اور ان سے اربعین (رازی) پڑھا کرتا تھا۔ طلبہ کا بہت ہجوم ہوتا تھا۔ عموماً لوگ آپ ہی کی تصانیف آپ سے پڑھتے تھے۔ ۷۲۶ھ کا واقعہ ہے کہ میں آپ کے ہمراہ امیر فخر الدین ابن الشمس لولو کے باغ میں گیا جہاں امیر موصوف نے دعوتِ ولیمہ کا انتظام کر رکھا تھا اس روز میں نے آپ سے درس چہل حدیث لیا تھا دورانِ دعوت میں آپ نے اس قدر فاضلانہ گفتگو کی کہ حاضرین حیرت زدہ ہو گئے اور سب کو کھانا بھول گیا۔ آپ کی چند ایک باتیں مجھے یاد رہ گئی ہیں جنھیں یہاں درج کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔

"اھل ذکری اھل مجالستی و اھل شکری اھل زیادتی و اھل طاعتی اھل قربتی و اھل معصیتی لا اقنطھم من رحمتی ان تابوا فانا حبیبھم وان لم یتوبوا فانا طبیبھم ابتلیھم بالمصائب لا طھرھم من المعائب"

ترجمہ۔ اللہ بعض آسمانی کتب میں کہتا ہے کہ میری وسیع رحمت سے ہر بشر مستفید ہو رہا ہے میرے ذاکر بندے میرے ندیم، شاکر مزید نعمتوں کے مستحق اور عابد میرے انیس ہیں میں خطا کاروں کو اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرتا۔ اگر وہ تائب ہو جائیں تو میں ان کا حبیب ہوں ورنہ طبیب ہوں کہ مصائب میں مبتلا کر کے ان کو معائب سے پاک کرتا ہوں" اس محفل میں کئی علما بھی تھے۔ (عمری ص۶۶)

۵۔ ابنِ قدامہ۔ شرف الدین ابو الفضل الحسن بن شرف الدین ابی بکر عبداللہ بن محمد بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الحنبلی (۶۹۳-۷۷۱ھ)۔ آپ نے زندگی کا آخری حصہ مدرسہ سلطان حسین مصر میں بحیثیت معلم بسر کیا تھا۔ ذھبی و ابن حجر آپ کو بڑے پایہ کا عالم سمجھتے ہیں۔ آپ نے ابن تیمیہ کے متعلق مندرجہ ذیل دو شعر کہے تھے۔

نبیی احمد وکذا امامی	وشیخی احمد کالبحر طامی
واسمی احمد ولذاک ارجو	شفاعۃ اشرف الرسل الکرام

ترجمہ۔ میرا نبی احمد، میرا امام احمد (ابن حنبل) میرا استاد احمد ابن تیمیہ (وہ علوم کا بحر مواج) اور میرا

نام بھی احمد ہے اس لئے خیرالانبیاء سے مجھے شفاعت کی محکم امید ہے۔ (النید۔ ص۴۲)

(۶) زین الدین عمر بن مظفر بن عمر بن محمد الوردی المصری الحلبی کی وفات ۷۴۹ھ میں ہوئی آپ کی تصانیف میں سے دیوان۔ تاریخ ابوالفدا کی تلخیص۔ الشہاب الثاقب اور احوال القیامۃ قابل ذکر ہیں (دائرہ معارف۔ پنجاب ج ۱۰ ص۲۱)

(۷) زین الدین ابو حفص عمر بن سعد اللہ الحرانی الدمشقی (۶۸۵ھ - ۷۴۹ھ)۔ بقول ذہبی بڑے پایہ کے عالم تھے ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آپ منصب قضا پر متعین تھے اور آپ کے انصاف و عدل کی حکائتیں ہر کہ ومہ کی زبان پر تھیں۔ عموماً کہا کرتے تھے۔

"لم اقض قضیۃ إلا وعددت لھا الجواب بین یدی اللہ"

ترجمہ: میں جب کوئی فیصلہ لکھتا تھا تو الٰہی دربار (محشر) میں ہر ممکن سوال کا جواب پہلے ہی تیار کر لیتا تھا۔ (الکاملی: ابن تیمیہ قلمی)

(۸) قاضی القضاۃ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن مفلح بن محمد بن مفرج المقدسی ۷۶۲ھ بڑے متقی عالم تھے۔ السبکی[1] کہتا ہے۔ ما رات عینای افقہ منہ (میری آنکھوں نے آپ سے بڑا فقیہ کبھی نہیں دیکھا) آپ کے زہد کے متعلق ذہبی کہتا ہے۔ شبابٌ عالمٌ لہ عملٌ (یہ ایک عالم باعمل نوجوان ہے) آپ کی تصانیف میں سے مشہور یہ ہیں۔ علی المقنع ۳۰ جلد۔ کتاب الفروع ۴ جلد۔ کتاب فی اصول الفقہ والاداب الشرعیہ۔ (الکاملی: ابن تیمیہ قلمی)

(۹) شیخ شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن المنجا بن عثمان التنوخی الدمشقی ۶۷۵ھ - ۷۲۴ھ) ابن تیمیہ کے ساتھ شب و روز رہا کرتے تھے۔ ذہبی آپ کی عظمت علمی کا معترف ہے (الکاملی: ابن تیمیہ۔ قلمی)

آپ کے شاگردوں کی فہرست کافی طویل ہے لیکن میں اسی پہ اکتفا کرتا ہوں۔ ان بزرگوں کے علم و فضل سے دنیا کس قدر مستفید ہوئی۔ ان کی تصانیف نے نسل انسانی کے خیالات میں کیا انقلاب پیدا کیا یہ ایک لمبا مضمون ہے جس پہ قلم اٹھانے کے لئے طویل فرصت چاہیئے۔

---

[1] ابوالبقا محمد بن عبدالبر بن یحییٰ بن علی بن تمام انصاری الخزرجی السبکی۔ (۷۰۷ - ۷۷۷ھ)

اقرباء ابن تیمیہ ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے بعض اقربا کا ذکر اس سلسلہ میں ناموزوں نہ ہوگا۔

۱۔ آپ کے والد شیخ شہاب الدین ابو احمد عبد الحلیم بن عبد السلام ۶۲۷ھ میں پیدا ہوئے ذہبی آپ کے تبحر علمی کے متعلق کہتا ہے۔

"کان اماماً محققاً کثیر الفنون وکان من انجم الھدیٰ وانما اختفی من نور القمر وضوء الشمس۔" (یشیر الی ابیہ وابنہ)

(آپ علوم و فنون کے امام اور آسمانِ ہدایت کے ستارے تھے لیکن ضوء آفتاب (بیٹا) و نور مہتاب (باپ) کے مقابلے میں اس سیارے کی روشنی مدھم پڑ گئی)

آپ حرّان کو چھوڑ کر دمشق میں اقامت گزیں ہوئے جہاں تعلیم و تدریس کی خدمت آپکے سپرد ہوئی۔ آپ ذی الحج ۶۸۲ھ میں اس دارِ فانی سے چل بسے۔ ابن تیمیہ کی عمر اس وقت ۲۱ سال تھی۔ (عمری ص ۳۳)

۲۔ آپ کے دادا شیخ عبد السلام ۵۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا فخر الدین خطیب سے حاصل کی پھر اپنے عم زاد سیف الدین کے ہمراہ بغداد روانہ ہو گئے جہاں چھ سال تک اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ تحصیل کے بعد وطن لوٹے اور تصنیف و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی تصانیف میں سے منتقی الاخبار کو کافی شہرت حاصل ہے یہ کتاب مجموعہ احادیث ہے جس کی شرح نیل الاوطار قاضی محمد بن علی الشوکانی نے لکھی ہے۔ آپ عراق، حجاز اور شام کے مختلف مدارس میں پروفیسر رہے اور عید الفطر کے دن ۶۵۲ھ کو اپنی اہلیہ کی وفات سے ایک روز بعد جہانِ فانی کو الوداع کہہ گئے۔

شیخ جمال الدین بن مالک آپ کے متعلق کہتے ہیں۔

قد الین للشیخ المجد الفقہ کما الین الحدید لداؤد (عمری ص ۳۵)

ترجمہ: شیخ محترم کے سامنے فقہ اس قدر نرم ہو چکی ہے جس طرح کہ دست داؤد میں آہن۔ زملکانی نے یہی فقرہ ذرا سی تبدیلی کے ساتھ ابن تیمیہ کے متعلق استعمال کیا۔ ملاحظہ ہو کواکب۔

۳۔ آپ کے بھائی شرف الدین عبد اللہ بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن تیمیہ ۶۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ حساب، ہیئت، گرامر، حدیث کے بڑے بھاری عالم تھے اور پسندیدہ اخلاق کے

مالک تھے۔ زہد و اتقاء۔ طاعت و قناعت و دیگر شمائل عظیمہ کے خزینہ دار تھے۔ بیت اللہ کا
حج کیا اور دمشق میں ۶۲۷ھ کو فوت ہوئے۔ (عمری ص۵)

۴۔ آپ کے اقربا میں سے ایک ابو محمد سیف الدین عبدالغنی بن فخر الدین بن عبداللہ بن تیمیہ
تھے۔ آپ مستند عالمِ دین ہونے کے علاوہ خطیبِ حرّان بھی تھے۔ آپ کے والد بھی فرائضِ خطابت
انجام دیا کرتے تھے۔ آپ کی تمام عمر تدریس، تصنیف و فنِ خطابت میں گذری۔ آپ ۶۳۹ھ میں
فوت ہوئے۔ (ایضاً ص۳۱)

۵۔ آپ کے ایک اور عزیز فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی القاسم الخضر بن محمد بن الخضر مشہور
خطیب و فاضلِ عصر تھے۔ آپ کی زندگی کا بیشتر حصّہ بغداد میں کٹا۔ کافی تصانیف پیچھے چھوڑیں
جن میں سے تفسیر و مجموعہ خطب نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ آپ ۵۴۲ھ میں پیدا ہوئے اور
۶۲۲ھ میں انتقال کیا۔ (ایضاً ص۱۸)

۶۔ گو ازمنۂ وسطیٰ میں عورتیں بہت پسماندہ تھیں اور وہ خانگی و مجلسی قیود میں اس قدر جکڑی
ہوئی تھیں کہ اُن کے اُبھرنے کی کوئی صورت نہ تھی تاہم اس خاندان کی دو عورتوں نے علم و فضل
کی وجہ سے بہت شہرت حاصل کی۔ ایک تو آپ کی جدّہ ماجدہ تیمیہ تھیں جن کی طرف تمام خاندان
منسوب ہوا اور دوسری زینب بنت عبداللہ بن عبدالحلیم...... بن تیمیہ آپ کی بھتیجی تھیں۔ اس
خاتون کے علم و عرفان کا بہت سے سوانح نگاروں نے ذکر کیا ہے۔ وفات ۷۹۹ھ (ایضاً ص۵۳)

۷۔ ابو محمد عبدالحلیم بن فخر الدین (۵۷۳ - ۶۰۳ھ) احمد کے دادا عبدالسلام کے چچا زاد بھائی
تھے۔ آپ نے ابن جوزی (۵۹۷ھ) سے حدیث سنی۔ بڑے پائے کے عالم تھے۔ یہ احمد کے
والد کے ہم نام تھے۔ فرق یہ کہ اُن کی کُنیت ابوالمحاسن تھی اور اِن کی ابو محمد۔ (عمری ص۳۱)

۸۔ ابوالفرج عبدالقاہر بن ابو محمد سیف الدین عبدالغنی (۶۱۲ - ۶۷۱ھ)۔ دمشق کے باہر
ایک خانقاہ میں رہتے اور وہیں درس دیتے تھے۔ (ایضاً ص۳۳)

۹۔ عبدالاحد بن ابی القاسم بن سیف الدین (۶۲۰ - ۷۱۲ھ) بلند پایہ عالم بھی تھے
اور کپڑے کے تاجر بھی۔ آپ کی وفات دمشق میں ہوئی تھی (ایضاً ص۳۴)

عبدالغنی بن عبداللطیف بن عبدالعزیز بن محمد الدین (۶۶۴ - ۷۳۶ھ) آپ نے

دمشق اور مصر کے مختلف علماء سے درس لیا تھا اور پھر دمشق میں فرائض تدریس سرانجام دیتے رہے۔ (ایضاً ص۴۵)

۱۱۔ احمد کے بھائی زین الدین عبدالرحمٰن بن ابوالمحاسن عبدالحلیم (۶۶۳ - ۷۴۷ھ) حران میں پیدا ہوئے اور دمشق میں وفات پائی۔ آپ نے قید میں بھی احمد کا ساتھ دیا تھا علم الدین البرزالی (۷۳۸ھ) نے آپ کے ۸۶ اساتذہ کے نام ضبط کئے تھے (ایضاً ص۵)

خاندانِ ابن تیمیہ کا تقریباً ہر فرد عالم تھا۔ ان کے نام جدولِ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

نوٹ: احمد کی والدہ کا نام ست المنعم فاطمہ بنتِ عبدالرحمٰن حرانی تھا۔ ان کی پہلی شادی محمد بن خالد بن ابراہیم حرانی سے ہوئی تھی اور دوسری ابوالمحاسن عبدالحلیم سے۔ پہلے شوہر سے بھی ایک فرزند تھا نام بدرالدین قاسم۔ (عمری ص۱۵)

علماء کی آرا

ابن تیمیہ اپنی علمیت۔ ذہانت۔ جہاد۔ اجتہاد۔ تقویٰ اور تدریس و تحریر کی بدولت دنیائے اسلام کی عظیم ترین ہستیوں میں شمار ہوتے تھے اور چند تنگ نظر معاصرین کو چھوڑ کر باقی تمام علماء آپ کے مدّاح تھے۔ چند مدّاحوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ فتح الدین ابو الفتح محمّد بن ابی عمر محمّد بن ابی بکر محمّد..... بن ابی القاسم بن سید النّاس الیعمری الاندلسی الاشبیلی ثم المصری (۶۷۱-۷۳۴ھ) فرماتے ہیں۔

برز فی کلّ فنٍّ علیٰ ابناءِ جنسہٖ (الرّد ص۱۲) (احمد ہر فن میں اپنے ابنائے جنس سے فائق تھا۔)

۲۔ شمس الدّین ابو عبداللہ محمّد بن الشیخ المسند بن محمّد بن ابی بکر بن ابی العبّاس احمد بن عبدالدائم بن نعمۃ بن احمد..... بن بکیر المقدسی الصالحی (۷۱۳-۷۷۵ھ) بھی احمد کے مدّاحوں میں تھا۔ (الرّد ص۱۳)

۳۔ شمس الدّین ابو عبداللہ محمّد بن احمد بن عبدالهادی بن عبدالحمید عبدالهادی..... المقدسی الصالحی الحنبلی (۷۰۶-۷۴۴ھ) نے ابن تیمیہ کے سوانح پہ ایک کتاب لکھی تھی اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

" امام الائمۃ و مفتی الامّۃ و بحر العلوم و سیّد الحفّاظ (الرّد ص۱۵)

ترجمہ: (وہ اماموں کا امام۔ امّت کا مفتی۔ علوم کا سمندر اور حفّاظ کا سردار تھا۔")

۴۔ ذہبی۔ شمس الدّین ابو عبداللہ محمّد بن احمد بن عثمان بن قیماظ بن عبداللہ الترکمانی الدمشقی ابن الذہبی الشافعی (۶۷۳-۷۴۸ھ)۔ امام موصوف کے شاگرد تھے یہ اپنی تصانیف میں بار بار اُستاد کا ذکر کرتے ہیں اور کچھ اس قسم کے الفاظ ہیں،

شیخ الاسلام مفتی الفرق قدوۃ الاُمّۃ اعجوبۃ الزّمان بحر العلوم وغیرہ (الرّد ص۱۶)

(بقیہ حاشیہ) الخضر بن علی کی بیوی کا نام تھا اور محمّد بن الخضر اس خاندان کا پہلا فرد ہے جو تیمیہ کی طرف منسوب ہوا تھا۔

ترجمہ: آپ شیخ الاسلام، مختلف مذاہب (فقہ) کے مفتی۔ امت کے امام۔ نادرۂ روزگار اور علوم کے سمندر تھے۔)

۵۔ امین الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی اسحاق ابراہیم بن محمد بن احمد بن الوانی المؤذن (۷۳۵ھ) نے احمد کا ذکر یوں کیا ہے:-

الشیخ الامام العلامۃ الاوحد الحبر البحر..... (الرد ص۱۹)

(شیخ۔ امام۔ علامہ۔ یکتا۔ دانشمند اور علم کا سمندر)

۶۔ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن غنائم بن وافد بن سعید الصالحی الحنفی بن المہندس (۶۶۵-۷۳۳ھ) فرماتے ہیں۔

الامام العلامۃ الحجۃ الحافظ القدوۃ الزاھد..... (الرد ص۲۱)

(وہ امام۔ علامہ۔ حجت۔ حافظ۔ پیشوا اور زاہد تھے)

۷۔ تاج الدین ابوعبداللہ محمد بن حافظ عماد الدین ابوالفدا اسماعیل بن محمد بن بردس البعلبکی الحنبلی (پ- ۷۴۵ھ) لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ:-

العالم الربانی والحبر النورانی مظھر آثار المرسلین وکاشف حقائق الدین (الرد ص۲۲)

(عالم ربانی۔ حکیم نورانی۔ آثار انبیاء کے مظہر اور حقائق دین کے کاشف تھے)

۸۔ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن حسن بن محمد بن احمد بن اسماعیل بن النقیب القرمانی (پ۔ اندازاً ۷۰۰ھ) نے ابن تیمیہ کے حالات قلمبند کئے تھے اور انہیں امام۔ علامہ۔ شیخ الاسلام اور بقیۃ السلف کے القاب دیئے تھے (الرد ص۲۲)

۹۔ تقی الدین ابوالمعالی محمد بن الشیخ جمال الدین ابومحمد رافع بن ابی محمد ہجرس بن محمد الصمیدی السلامی ثم المصری ثم الدمشقی الشافعی (۷۰۴-۷۷۴ھ) کہتے ہیں کہ احمد۔ امام۔ عالم۔ یکتا۔ حکیم۔ شیخ العلماء اور دنیا کے لئے برکت تھے (الرد ص۲۳)

۱۰۔ حافظ شمس الدین ابوبکر محمد بن محب الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن ابراہیم

السعدی المقدسی المعروف بالصامت (۷۱۲ - ۷۸۹ھ) کئی کتابوں کا مصنف تھا اس نے بارہا ابن تیمیہ کے حالات لکھے اور انہیں "شیخ الاسلام۔ امام الائمہ بحر العلوم والمعارف" کے القاب سے یاد کیا۔ (الرد۔ ص۲۵)

۱۱۔ ابوالبقا محمد بن عبدالبر بن یحییٰ بن علی بن تمام الانصاری الخزرجی السبکی (۷۰۷ - ۷۷۷ھ) نے ایک مرتبہ ابن تیمیہ کے متعلق کہا :-

مایبغض ابن تیمیۃ الا جاھل او صاحب ھوی فالجاھل مایدری مایقول وصاحب الھوی یصدہ ھواہ عن الحق بعد معرفتہ بہ (الرد۔ ص۲۶)

ترجمہ: ابن تیمیہ سے ایک جاہل یا بندہ ہوا ہی بغض رکھ سکتا ہے۔ جاہل کو کیا معلوم کہ احمد کیا کہتا ہے۔ رہا ہوس پرست۔ تو اسے اس کی خواہشات سچائی سے روکتی ہیں حالانکہ اسے سچائی کا علم ہوتا ہے۔)

۱۲۔ شیخ صفی الدین ابو عمر بن ابی الحسین بن عبدالوہاب الانصاری الحنفی بن الحریری (۶۵۳ - ۷۲۸ھ) کا قول ہے۔

ان لم یکن ابن تیمیہ شیخ الاسلام فمن (الرد۔ ص۲۷)

ترجمہ: اگر ابن تیمیہ شیخ الاسلام نہیں تو پھر اور کون ہے؟)

۱۳۔ ابوعبداللہ محمد بن الشیخ المسند الکبیر ابی زکریا یحییٰ سعد بن ابی عبداللہ محمد بن سعد بن عبداللہ بن سعد بن مفلح بن ہبۃ اللہ بن نمیر انصاری المقدسی عرف ابن سعد (پ۔ ۷۰۳ھ) احمد کے متعلق لکھتا ہے۔

"الشیخ الامام العالم العلامۃ الاوحد" (الرد ص۳۲)

۱۴۔ ابن قیم شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد الزرعی ثم الدمشقی (۶۹۱ - ۷۵۱ھ) ابن تیمیہ کے شاگرد بھی تھے اور مداح بھی۔ آپ نے اپنی تصانیف میں اپنے استاد کا بارہا بڑے احترام سے ذکر کیا ہے (الرد ص۳۶)

۱۵۔ ابوالعباس احمد بن ابراہیم بن محمود بن ابراہیم بن مکارم الزبیری المقدسی ثم البقاعی ثم الدمشقی الشافعی (پ۔ تقریباً ۷۰۰ھ) ایک مقام پر احمد کے متعلق فرماتے ہیں؛

" شیخ الاسلام۔ مفتی الانام۔ احد الائمۃ الاعلام۔ فرید دھرہ، و مجتھد عصرہ " (الرد ص۳۷)

ترجمہ؛ آپ شیخ الاسلام۔ مفتی انام۔ جلیل القدر، امام زمانے میں یکتا اور مجتہد تھے۔

۱۶۔ شرف الدین ابوالعباس۔ احمد بن شرف الدین الحسن بن شرف الدین ابی بکر عبداللہ بن ابی عمر محمد بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی الصالحی الحنبلی (۶۹۳-۷۷۱ھ) ابن تیمیہ کا شاگرد تھا۔ اس نے اپنی تصانیف میں بار بار اپنے استاد کا ذکر کیا ہے (الرد ص۴۰)

۱۷۔ ابوالعباس احمد بن رجب عبدالرحمان بن الحسن بن محمد بن ابی البرکات مسعود البغدادی (پ۔ ۷۰۰ھ) مشہور ابن رجب (زین الدین) کے والد تھے۔ اور ابن تیمیہ کے بہت بڑے مداح۔ (الرد ص۴۱)

۱۸۔ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن مظفر بن ابی محمد بن بدر بن الحسن بن مفرج بن بکار النابلسی (۶۷۵-۷۵۸ھ) کئی کتابوں کا مصنف تھا اور احمد کو جمال العلماء قدوۃ المسلمین۔ برکۃ الانام اور "شیخ الاسلام" (الرد ص۴۲) سمجھتا تھا۔

۱۹۔ ابواسحاق ابراہیم بن ابی العباس احمد بن المحب عبداللہ بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن احمد السعدی المقدسی (۷۰۲-۷۴۹ھ) جب بھی احمد کا ذکر کرتا تو احتراماً انہیں شیخ الاسلام لکھتا۔ (الرد ص۴۵)

۲۰۔ ابن القلانسی، مجد الدین ابواسحاق ابراہیم بن ابوالمعالی اسعد بن العز ابی غالب المظفر بن الوزیر موید الدین ابوالمعالی اسعد بن ابی یعلی حمزہ بن اسد التمیمی الدمشقی الشافعی (۷۶۵ھ) بھی احمد کو شیخ الاسلام سمجھتے تھے (الرد ص۴۵)

۲۱۔ شیخ برہان الدین ابراہیم بن شیخ الاسلام تاج الدین ابی محمد عبدالرحمان بن ابی اسحاق ابراہیم بن سباع الفزاری البدری الشافعی (۶۶۰-۷۲۹ھ) ابن تیمیہ

کی وفات کے بعد مسلسل تین روز تک علمار کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی قبر پہ فاتحہ خوانی کے لیے جاتے رہے۔ آپ اَز راہِ انکسار گدھے پہ سوار ہوتے تھے۔ (الرّد ص ۴۵۔۵۰)

۲۲۔ نجم الدین ابوالفضل اسحاق بن ابوبکر الترکی (۰۰ ۶۷۔ ۷۰۲ھ) نے امام احمد بن حنبل کی شان میں قصیدہ لکھا تھا جس میں چند اشعار ابنِ تیمیہ کے متعلق بھی تھے۔ دو شعر یہ ہیں:۔

لبعیدٌ عن الفحشاءِ والبغی والاذیٰ	قریبٌ الیٰ اھلِ التقیٰ نو تجنّبٍ
لغیب و لکن عن مساوی وغیبۃٍ	وعن مشھد الاحسان لم یتغیّبٍ

ترجمہ: احمد گناہ۔ سرکشی اور دِل آزاری سے دُور لیکن اہلِ تقویٰ کے قریب ہے اور محتاط۔ وہ برائی اور غیبت کے مقامات سے غیر حاضر لیکن مقاماتِ احساں میں ہمیشہ موجود رہتا ہے) (الرّد ص ۴۸)

۲۳۔ عماد الدین ابوالفدا اسماعیل بن محمد بن بردس بن نصر بن بردس بن رسلان البعلبکی الحنبلی (۷۲۰۔ ۷۸۶ھ) کئی کتابوں کا مصنّف تھا۔ اس نے ابنِ تیمیہ کی وفات پہ ایک مرثیہ بھی لکھا تھا (الرد ص ۴۸)

۲۴۔ ابنِ کثیر: عماد الدین ابوالفدا اسماعیل بن ابی حفص عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن ضور بن زرع القرشی۔ البُصری الدمشقی الشافعی (۷۰۱۔ ۷۷۴ھ) نے اپنی مشہور کتاب البدایۃ والنھایہ میں امام کے حالات کئی صفحات میں لکھے ہیں۔ (الرّد ص ۴۹)

۲۵۔ بدر الدین ابو محمد حسن بن ابی القاسم عمر بن الحسن بن عمر الدمشقی الحلبی (۷۷۹ھ) اپنی تاریخی کتاب دُرّۃ الاسلاک فی دولۃ الاتراک میں ابن تیمیہ کا ذکر یوں کرتے ہیں:۔

بحرٌ ذاخرٌ فی النقلیات وحبرٌ ماھرٌ فی العقلیات و امامٌ فی مَعرِفۃ الکتاب وَالسُّنّۃِ (الرّد ص ۵۱)

ترجمہ: وہ نقلیات میں ایک مواج سمندر۔ عقلیات میں ماہر اور کتاب وسنت کے امام ہیں۔)

۲۶۔ شیخ عز الدین ابو یعلیٰ حمزہ بن قطب الدین موسیٰ بن الصدر الرئیس ضیاء الدین ابی العباس احمد بن الحسینی الدمشقی (۷۶۹ھ) نے ایک مقام پر امام کے متعلق لکھا ہے:۔

شیخ الاسلام۔ علم الزہاد۔ قطب فلک الانام (ایضاً ص۵۱)

ترجمہ: اسلام کا شیخ۔ زاہدوں کا امام اور آسمانِ انسانی کا قطب۔

۲۷۔ صلاح الدین ابو سعید خلیل بن امیر سیف الدین کیکلدی بن عبداللہ العلائی الدمشقی (۶۹۴-۷۶۱ھ) امام کو شَیْخُنَا وَ سَیِّدُنَا کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ (الرد ص۵۲)

۲۸۔ شیخ محب الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محب الدین ابی محمد عبداللہ بن احمد بن ابی بکر محمد بن ابراہیم المقدسی الصالحی (۶۸۲-۷۳۷ھ) احمد کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ

فَرِیْدُ العصر۔ اَوْحد الدّھر۔ عَلَمُ الھُدیٰ اور ناصر السُّنن تھا (الرد ص۵۴)[۱]

۲۹۔ زین الدین ابو الفرج عبدالرحمان بن احمد بن رجب البغدادی الدمشقی الحنبلی (۷۹۵ھ) طبقات الحنابلہ کے مصنف، احمد کے متعلق "المفسر۔ الاصولی الزاھد۔ الامام۔ اَلْفَقِیْہ۔ اَلْمُجْتَھِد۔ المحدّث کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ (الرد ص۵۶)

۳۰۔ سراج الدین ابو حفص عمر بن رسلان بن ابی المظفر نصیر بن صالح بن احمد الکنانی البلقینی (۷۲۴-۸۰۵ھ) اس حکایت کے راوی ہیں کہ ایک دفعہ

---

[۱] فرید، بے نظیر۔ اوحد، یکتا۔ عَلَم، جھنڈا۔ اونچی چوٹی۔ سُنن، سنت کی جمع۔

ابنِ تیمیہ نے ایک مسئلہ کے متعلق فرمایا کہ یہ کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اس پر سامعین میں سے ایک نے کہا کہ یہ ایک ہزار کتابوں میں موجود ہے اُس کے بعد جب بھی امام موصوف دورانِ درس اِس مسئلے کا ذکر کرتے تو ساتھ ہی فرماتے کہ یہ کسی کتاب میں موجود نہیں لیکن ایک جھوٹا کہتا ہے کہ یہ ایک ہزار کتب میں ہے (الرد۔ ص ۶۱)

۳۱۔ ابنِ نجیح، ابوحفص عمر بن سعد اللہ بن عبدالاحد الحرانی (۶۸۵ - ۷۴۹ھ) جب بھی احمد کا ذکر کرتا ہے تو اُس کے متعلق شیخ الاسلام۔ امام اور مجتہد جیسے القاب استعمال کرتا ہے۔ (الرد۔ ص ۶۱)

۳۲۔ زین الدین ابوحفص عمر بن مُسلم بن سعید بن عمر بن بدر بن مُسلم القرشی الملحی الدمشقی الشافعی (۷۹۲ھ) نے احمد کے متعلق ایک دفعہ کہا تھا۔ کہ۔

ھُوَ شیخ الاسلام علی الاطلاق۔ (الرد۔ ص ۶۳)

(وہ بہر رنگ و بہر صورت شیخ الاسلام ہیں)

۳۳۔ البرزالی، عَلَم الدین ابو محمد القاسم بن محمد بن یوسف بن محمد بن یوسف بن محمد بن ابی یداس البرزالی الاشبیلی الدمشقی (۶۵۶ - ۷۳۸ھ) اپنی "معجم الشیوخ" میں احمد کے متعلق لکھتا ہے:۔

وکان اماماً لا یلحق غبارہٗ فِی کُلِّ شیئٍ (الرد ص ۶۵)

(وہ ایسا امام ہے کہ کوئی شخص اس کی گرد تک کو نہیں پہنچ سکتا)

۳۴۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمان بن یوسف بن عبدالملک بن یوسف بن علی بن ابی الذہب القضاعی ثم الکلبی الحلبی الدمشقی ثم المزی الشافعی (۶۵۴ - ۷۴۲ھ) نے امام موصوف کے متعلق کہا تھا:۔

لم یُرَ مثلہ منذ اربعمائۃ سنۃٍ (الرد۔ ص ۶۷)

ابنِ تیمیہ جیسا عالم گذشتہ چار سو سال میں پیدا نہیں ہوا۔

۳۵۔ جمال الدین ابوالمظفر یوسف بن محمد بن مسعود بن محمد بن علی بن ابراہیم

العبادی ثم العقیلی السرسری نزیل دمشق (۶۹۶-۷۶۶ھ) نے خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا اور پوچھا کہ علمائے امت میں اختلاف پایا جاتا ہے ان میں سے سچا کون ہے۔ فرمایا۔ کہ سچائی احمد بن تیمیہ کے ہاں ملے گی۔ (الرد صہ۷۲)

۳۶- زین الدین ابوبکر بن زکی الدین قاسم بن ابن ابی بکر بن عبدالرحمان بن ترجم (مترجم) بن علی بن عمر عبد الکنانی الرحبی نزیل مصر (پ۔ ۶۶۶) امام موصوف کو شیخ الاسلام سمجھتا تھا۔ (الرد صہ۷۴)

۳۷- کمال الدین ابوالمعالی محمد بن ابی الحسن بن علی بن عبدالواحد بن خطیب زملکانی بن خلف بن سلطان الانصاری الشافعی (۶۶۰-۷۲۷ھ) ابن تیمیہ کا سخت ترین مخالف تھا لیکن کبھی کبھی آپ کی تعریف بھی کر جاتا تھا۔ ایک موقع پر کہا۔

هُوَ حُجَّةٌ لِلّٰهِ قَاهِرَةٌ

هُوَ بيننا اَعْجُوبَةُ الدَّهرِ (کواکب صہ۱۴۳)

ترجمہ: (احمد اللہ کی حجت قاہرہ ہے اور وہ انسانی دنیا کا ایک اعجوبہ ہے)

۳۸- شیخ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن جمال الدین فضل اللہ العمری الشافعی (۶۹۷-۷۴۹ھ) اپنی تاریخ مسالک الابصار فی ممالک الامصار میں ابن تیمیہ کے متعلق فرماتے ہیں:-

هُوَ البحرُ مِنْ اَيِّ النواحي جِئْتَهُ

هُوَ البَدْرُ مِنْ اَيِّ الضواحي رَأَيْتَهُ (کواکب صہ۱۴۸)

ترجمہ: وہ سمندر ہے جدھر سے چاہو آؤ۔ وہ چودھویں کا چاند ہے جس طرف سے چاہو۔ اسے دیکھو۔)

۳۹- ابن دقیق العید۔ محمد بن علی بن وہب بن مطیع بن دقیق العید القشیری المنفلوطی المالکی الشافعی (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:-

كُلُّ الْعُلُومِ بَيْنَ عَيْنَيْهِ يأخذ ما يريد ويدع ما يريد۔ (کواکب صہ۱۴۰)

ترجمہ: دنیا کے تمام علوم احمد کے ساتھ بکھرے پڑے ہیں۔ وہ ان میں سے جو چاہے لے لیتا اور جسے چاہے چھوڑ دیتا ہے۔)

۴۰۔ تقی الدین محمود بن علی بن محمود بن مقبل بن سلیمان بن داؤد الدقوقی البغدادی (۶۶۲۔۷۳۳ھ) آپ کی وفات پر کہتے ہیں۔

مضی الزاھد الندب ابن تیمیۃ الذی   اقرّلہ بالعلم والفضل حسّدہٗ

(کواکب ص ۲۳)

ترجمہ: وہ زاہد و زیرک ابن تیمیہ چلا گیا جس کے علم و فضل پہ دشمن بھی شہادت دیتے تھے۔)

۴۱۔ ابو حیان محمد بن یوسف الاندلسی (۶۵۴۔۷۴۵ھ) جو آپ کا مخالف بھی رہا لکھتا ہے۔

بحرٌ تُقاذفُ مِن امواجہ الدُّرَرُ (کواکب ص۱۲۱)

ترجمہ: وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی لہروں سے موتی حاصل ہوتے ہیں۔)

۴۲۔ ابو عبداللہ محمد بن ابی الحسن علی بن محمد بن سلیمان بن غانم المقدسی الدمشقی (۶۷۸۔۷۴۰ھ) فرماتے ہیں۔

عالمٌ فِی زمانِہٖ فاق

بالعلم جمیع الائمۃ الاعلام   (الرد ص۴۲)

زمانے کا یہ عالم بڑے بڑے آئمہ سے سبقت لے گیا ہے۔)

۴۳۔ شیخ عماد الدین ابو العباس احمد بن ابراہیم بن عبدالرحمان الواسطی (۶۵۷۔۷۲۱ھ) لکھتے ہیں:

لم یر تحت ادیم السماءِ مثلہٗ علماً وحالاً وخُلقاً و اِتّباعاً وکرماً وحلماً۔ (کواکب ص۱۴۳)

ترجمہ: خیمۂ فلک کے نیچے علم، عمل، اخلاق، اتباعِ رسول، کرم اور حلم میں ابن تیمیہ کی نظیر کسی نے کہیں نہیں دیکھی۔

۴۴۔ ابو حفص عمر بن علی بن موسیٰ بن خلیل البزار البغدادی الازجی (۶۸۸۔۷۴۹ھ)
کا قول ہے قد اختلط العلم بلحمہ و دمہ (کواکب ص۱۴۹)
(علم ابن تیمیہ کے گوشت اور خون میں رس چکا ہے)
ابن تیمیہ کے مداحین کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کے اقوال ضبط کرنے کے لئے کئی جلدیں چاہئیں۔ سر دست میں انہی پہ اکتفا کرتا ہوں۔

باب دوم

داستانِ حیات

سنینِ واقعات

احمد ۱۲ ربیع الاوّل ۶۶۱ھ کو حرّان میں پیدا ہوئے اس کے بعد ۶۶۷ھ میں اپنے والد کے ہمراہ دمشق چلے گئے۔ ۶۶۷ھ سے ۶۸۳ھ تک تعلیم حاصل کی۔ ۶۸۳ھ میں اپنے والد کی وفات (۶۸۲ھ) سے ایک سال بعد درس دینا شروع کر دیا۔ ۶۹۲ھ میں العقیدۃ الواسطیہ لکھا۔ ۶۹۸ھ میں العقیدۃ الحمویہ سپُردِ قلم کیا۔ اس پہ آپ کے خلاف اشتعال پیدا ہو گیا اور دمشق کے نائب السلطنت کو مداخلت کرنا پڑی۔ (تفصیل اگلے اوراق میں)۔ ۷۰۲ھ میں دمشق کے قریب شقحب کے مقام پہ تاتاریوں کے خلاف لڑے۔ ۷۰۴ھ میں کسرواں (دمشق اور طرابلس شام کے درمیان ایک پہاڑ) کے وحشی قبائل پہ حملہ کیا اور انہیں شکست دی۔ ۷۰۵ھ میں شاہِ ناصر نے آپ کو مصر میں طلب کیا۔ ۷۰۵ھ سے ۷۰۷ھ تک آپ اٹھارہ ماہ کے لئے مصر کے زنداں میں رہے۔ ۷۰۷ھ سے ۷۰۹ھ میں رہا ہونے کے بعد پھر پکڑ لئے گئے اور ۷۰۷ھ سے ۷۰۹ھ تک مصائبِ قید و بند برداشت کرتے رہے۔ ۷۱۲ھ کو دمشق میں واپس آئے۔ آٹھ سال تو آرام سے گذرے لیکن اس کے بعد علماء کی مخالفت اتنی شدّت اختیار کر گئی کہ آپ کو پھر جیل میں ڈال دیا گیا۔ ۷۲۰ھ میں پھر ۵ ماہ اور ۱۸ یوم کے لئے قید کر دیئے گئے۔ ۷۲۶ھ میں چوتھی دفعہ گرفتار ہوئے۔ سوا دو سال کے بعد جیل سے آپ کا جنازہ باہر آیا۔

آپ کی کل مدّتِ قید تقریباً سوا چھ سال بنتی ہے (البدایہ ج-۱۴)

پہلا درس

اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی طالب علم فارغ التحصیل ہونے کے بعد معلّمی کا پیشہ اختیار کرتا تو اس کے پہلے درس میں اس شہر کے نیز گرد و نواح کے تمام علماء شامل ہوتے۔ جب ابن تیمیہ نے ۲ محرم ۶۸۳ھ کو پیر کے دن پہلا درس دینا چاہا تو علماء کی ایک خاصی تعداد اس میں شامل ہوئی۔ ان میں قابلِ ذکر یہ تھے۔

۱۔ قاضی القضاۃ بہاء الدین یوسف بن قاضی محی الدین ابوالفضل یحییٰ بن الزکی الشافعی (۶۸۵ھ)۔

۲۔ شیخ الاسلام تاج الدین ابو محمد عبدالرحمان بن ابراہیم الفزاری الشافعی (۶۹۰ھ)

۳۔ شیخ زین الدین ابوحفص عمر بن مکی بن عبدالصمد الخطیب الشافعی (۶۹۱ھ)

۴۔ شیخ الحنابلہ زین الدین ابوالبرکات بن المنجی بن الصدر عزالدین ابی عمرعثمان بن اسعد بن المنجی بن برکات بن المتوکل التنوخی (۶۹۵ھ)

اس درس میں ابن تیمیہ نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے اتنے رموز و معارف بیان کئے کہ سامعین سکتے میں آ گئے۔ شیخ فزاری نے یہ درس حرف بہ حرف قلم بند کر کے دارالحدیث السکریہ کے دارالکتب میں رکھوا دیا تھا تاکہ بعد کے طلبہ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں

(البدایہ۔ ج ۱۳۔ ص۳۰۳)

درس تبلیغ اور تصنیف کا یہ سلسلہ پندرہ برس تک پورے سکون سے جاری رہا اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ لیکن ۶۹۸ھ میں آپ کی ایک تحریر کی وجہ سے عناد و مخالفت کا ایک طوفان اٹھ پڑا۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

عقیدۂ حمویہ

الکواکب الدریہ (ص۱۲۷) کے مصنف لکھتے ہیں،

"کہ ربیع الاول ۶۹۸ھ میں موضع حماۃ[1] سے ایک استفتا موصول ہوا جس کے جواب میں امام نے ظہر و عصر کے درمیانی وقفے میں چھ اجزاء پر مشتمل ایک تحریر تیار کی جو العقیدۃ الحمویہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس عقیدہ میں آپ نے متکلمین کی خبر لی اور مذہب سلف کو سراہا۔ فرماتے ہیں،

"متکلمین کا خیال ہے کہ صحابہ و تابعین سادہ عقائد کے مالک تھے اُن میں تدبر بہت کم تھا اور آیات و نصوص میں غور و خوض کی استعداد نہیں رکھتے تھے۔ ساتھ ہی کہتے ہیں کہ موجودہ متکلمین پرانے بزرگوں سے کہیں زیادہ علم و فہم رکھتے ہیں"۔

---

[1] شام کا ایک شہر جو حمص سے ساٹھ میل شمال میں واقع ہے۔

یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جسے خوفناک جہالت کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ لوگ ظن و شکوک کی ظلمتوں سے نکل کر ایمان کی روشن دنیاؤں میں پہنچے ہوئے تھے۔ ان کی راہ پر شبہات کے کانٹے نہ تھے۔ تخمین و ظن کی جھاڑیاں نہ تھیں۔ منطق و فلسفہ کی اُلجھنیں نہ تھیں۔ دوسری طرف یہ متکلمین کا گروہ ظن و تشکیک کی شبِ تاریک میں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ صحیح راہ سے بھٹک چکا ہے۔ حقانیت اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی ہے اور گھبرا کر کہتا ہے؛

نهاية اقدام العقول عقال	واكثر سعى العالمين ضلال
وارواحنا فى وحشة من جسومنا	وحاصل دنيانا اذى و وبال
ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا	سوى ان جمعنا فيه قيل وقالوا

(غور و فکر کی انتہا حیرت ہے۔ علماء کی مساعی محض لاحاصل ہیں۔ ہماری رُوحیں ہمارے جسموں میں گھبرا رہی ہیں۔ ہماری تمام تگاپو کا انجام اذیت کے سِوا اور کچھ بھی نہیں عمر بھر مسائل فلسفیہ پہ بحث کی لیکن ہماری مباحث کا حاصل صرف قیل و قال ہی تھا۔)

ایک فلسفی کہتا ہے۔

"مَیں نے متکلمین کی راہِ عمل کا مطالعہ کیا اور یقین ہو گیا کہ ایک بیمار رُوح کی شفا یہاں نہیں ہے۔ بہترین راہ قرآن کی راہ ہے۔ آؤ! میری بات کو آزماؤ۔ تاکہ تم پہ بھی طریق حق واضح ہو جائے۔"

ایک اور فلسفی کا قول ہے؛

"مَیں اسلام کی سیدھی راہ کو چھوڑ کر فلسفہ کے متلاطم سمندر میں جا گھسا ہوں۔ خدائی رحم کے سوا میری نجات کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ مَیں اعلان کرتا ہوں کہ میری والدہ کے عقائد صحیح ترین تھے مَیں انہی پہ پیدا ہوا تھا اور انہی پہ مروں گا۔"

جب ان زندانیانِ ظن و تشکیک کی یہ حالت ہے تو وہ کیسے ان لوگوں سے سبقت کا دعویٰ کر سکتے ہیں جنہیں خود رسول نے حقانیت کا درس دیا تھا جن کے سامنے ماضی و مستقبل کے واقعات بے حجاب تھے جو کفر و عصیاں کے ظلمتوں میں آفتاب بن کر چمکے تھے جن سے کتابِ الٰہی بولتی تھی

اور جن کا علم انبیاء بنی اسرائیل سے کم نہ تھا۔

یہ متکلّمین جو حکماء ہند و یونان اور فلاسفۂ یہود و مجوس کے پیرو ہیں۔ ان ائمۃ الہدیٰ سے کیسے بڑھ سکتے ہیں جن کی وسعتِ نگاہ اور پروازِ فکر کو ناپنے کے لئے کوئی مقیاس موجود نہیں۔

مقامِ حیرت ہے کہ کتاب و سنّت کے مقابلے میں یہ لوگ یونان۔ ہند۔ روم اور ایران کے خرافات پیش کرتے ہوئے ذرہ بھر نہیں شرماتے۔ اگر ان زندانیانِ فلسفہ کی جدوجہد قابلِ التفات ہوتی تو قرآنِ حکیم اور دیگر کتب سماویہ کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے رحلت کے وقت فرمایا تھا۔ "جب تک تم کتاب اللہ کو خضرِ راہ بنائے رکھو گے صراطِ مستقیم سے کبھی نہیں بھٹکو گے۔" کیا یہ ارشاد غلط تھا اگر فلسفیانہ نکات ہی انسانی جدوجہد کی آخری منزل تھے تو کیوں نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فلسفۂ یونان و ہند کو بھی سراہا۔ آپ نے صاف الفاظ میں فرمایا تھا۔ "میرے بعد میری امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی اور فرقۂ ناجی وہی ہوگا جو میرے بعد میرے صحابہ کے اسوۂ حسنہ پہ چلے گا" آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تین صدیوں کے بعد قرآن کو چھوڑ کر غولِ فلاسفہ کی اقتداء کرنا ہوگی۔

صفاتِ الٰہیہ کے متعلق متکلّمین کے عقاید یہود و نصاریٰ سے ماخوذ ہیں۔ اسلام میں ان عقاید کا بانی جعد[1] بن درہم تھا جس سے جہم[2] بن صفوان نے اخذ کئے۔ جعد نے اپنا عقیدہ ابان بن سمعان سے۔ ابان نے طالوت سے اور طالوت نے لبید بن الاعصم یہودی سے لیا تھا۔ یہ

---

[1] جعد بن درہم (۱۲۴ھ) پہلا شخص ہے جسنے صفاتِ الٰہیہ کا انکار کیا تھا۔ یہ قرآن کو مخلوق کہتا تھا۔ یہ ابان بن سمعان کا شاگرد تھا جسنے لبید بن اعصم یہودی (اسنے حضورؐ پہ جادو کیا تھا) کے بھانجے اور داماد طالوت سے درس لیا تھا۔ جعد حرّانی تھا لیکن دمشق میں آباد ہوگیا تھا۔ یہاں اسکے عقاید پہ اتنی تنقید ہوئی کہ یہ کوفہ چلا گیا وہاں کے حاکم خالد بن عبداللہ القسری نے اسے ۱۲۴ھ میں قتل کر دیا (شہرستانی، الملل والنحل ص۸۶ حاشیہ)

[2] جہم بن صفوان اپنے استاد جعد کا جانشین تھا۔ یہ ترمذ کا رہنے والا تھا۔ یہاں سے مرو میں چلا گیا۔ بنو امیّہ کے خلاف ایک باغی ناصر بن سُریح کے ساتھ مل گیا اور ایک جنگ میں مارا گیا۔ سالِ وفات ۱۲۸ھ۔

(ایضاً ص۸۶ حاشیہ)

وہی یہودی ہے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے کے لئے سحر سے کام لیا تھا۔
یہ متکلمین ایک طرف تو صداقتِ فلسفہ کو تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف قرآن وسنت سے بھی تعلق قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ نہ پورے فلسفی ہیں اور نہ پورے مومن۔ مشہور مقولہ ہے:

نیم حکیم خطرۂ جان
اور نیم فلسفی خطرۂ ایمان

شافعیؒ فرماتے ہیں میرا فیصلہ ان فلسفیوں کے متعلق یہ ہے کہ انہیں گدھے پہ سوار کرکے تمام قبائل وعشائر میں پھرایا جانا چاہیئے۔ ان کی مرمت جوتوں سے کی جائے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ جو لوگ اقوالِ فلاسفہ کو قرآن وسنت پہ ترجیح دیتے ہیں ان کی سزا یہی ہے
یہ عقیدۂ حمویہ کے چیدہ چیدہ مقامات ہیں۔ آپ نے جس رنگ میں یہ تحریر لکھی اور جس قہر و شدت کے ساتھ متکلمین پہ برسے اس کا نتیجہ یقیناً مخالفت ہی ہونا تھا۔ حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں۔
"صفاتِ الٰہیہ پہ آپ کی یہ تحریر ۶۹۸ھ میں نکلی۔ ہر طرف ایک شور بلند ہوا مخالفین نے قاضی جمال الدین احمد بن الحنفی الحسن الرازی (۷۴۵ھ) کو اپنے ساتھ ملا لیا اور آپ کو آئندہ فتوے دینے سے روک دیا گیا لیکن آپ کی حمایت میں ایک جماعت کھڑی ہو گئی اور آپ مزید عقوبت سے بچ گئے۔ ۷۰۵ھ میں مصر کے بادشاہ ناصر[2] کا ایک حکم موصول ہوا کہ افرم (دمشق کا وائسرائے) آپ کے عقائد کو پرکھنے کے لئے علماء کی ایک مجلس منعقد کرے چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور بحث وتمحیص کے بعد بالاتفاق یہ فیصلہ ہوا کہ آپ کے عقاید صحیح ہیں۔
شیخ علم الدین برزالی ۷۳۸ھ اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ عقیدۂ حمویہ کے بعد آپ کی مخالفت زیادہ ہو گئی۔ اس لئے کہ قضاۃ وفقہا عموماً متکلمین تھے۔ ان لوگوں نے امراء وحکام کے ہاں جا کر فضا کو مسموم بنانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ قاضی جلال الدین الحنفی نے آپ کو

---

[1] کواکب ص۱۴۳۔ [2] ناصر الدین محمد ناصر تین دفعہ مصر کے تخت پر بیٹھا۔ اوّل ۶۹۳ھ سے ۶۹۴ھ دوم ۶۹۸ھ سے ۷۰۸ھ تک سوم ۷۰۹ھ سے ۷۴۱ھ تک (طبقاتِ سلاطینِ اسلام ص۷۱)

دار الحدیث الاشرفیہ میں طلب کیا۔ آپ نے جواب میں کہا۔

"تمہارا کام قضا ہے نہ کہ امتحانِ عقائد اس لئے میں تمہارے پاس آنے کو تیار نہیں"

اس جواب پہ قاضی بھڑک اٹھے اور جھٹ تمام علاقہ میں منادی کرا دی کہ ابن تیمیہ کے عقائد باطل ہیں جب سیف الدین جاغان عارضی نائب السلطنت دمشق (حامی ابن تیمیہ) کو علم ہوا تو اس نے فوراً چند آدمی بھیجے جنہوں نے منادی کرنے والے کو پکڑ کر خوب پیٹا اور قاضی کا فتویٰ چیر ڈالا۔

ایک دن امام اتفاقاً قاضی امام الدین الشافعی قزوینی (۶۹۹ھ) سے ملے۔ اس نے عقیدۂ حمویہ سننے کا اشتیاق ظاہر کیا اور آپ نے سنانے کا وعدہ فرما لیا چنانچہ یوم سبت ۱۴ ربیع الاول ۶۹۸ھ کو مجلس قائم ہوئی۔ آپ نے صبح سے لے کر رات کے پہلے ثلث تک عقیدہ پڑھا اور مبہم مقامات پہ روشنی ڈالی۔ حاضرین میں سے کسی کو کہیں بھی نکتہ چینی کا موقعہ نہ ملا چنانچہ قاضی نے اعلان کیا کہ یہ عقاید بالکل صحیح ہیں اور آج کے بعد امام پر جو شخص نکتہ چینی کرے گا وہ میری عداوت مول لے گا۔ قاضی کے بھائی جلال الدین (۷۳۹ھ) نے کہا "میں ایسے آدمی کو سخت سزا دوں گا"

اس واقعہ کے بعد بعض نیک لوگوں نے آپ کے متعلق نہایت اچھے خواب دیکھے ہیں لیکن مجھے یہ خواب نہیں مل سکے۔

کچھ عرصہ کے لئے فتنہ تھم گیا۔ اس اثنا میں شیخ نصر بن سلیمان المنبجی (۷۱۹ھ) مصر میں طاقت پکڑ رہا تھا۔ جب ابن تیمیہ کو علم ہوا کہ نصر وحدت الوجود کا قائل اور ابن سبعین[۱]، ابن عربی[۲] اور ابن فارض[۳] کا معتقد ہے تو آپ نے ۷۰۴ھ میں ۳۰۰ سطور کا ایک خط اسے لکھا جس میں نصر اور اس کے مرشد (ابن عربی) پہ تنقید کی (یہ خط جلاء العینین ص۵۴ پر منقول ہے) نصر مشتعل ہو گیا اور اس نے قضاۃ مصر سے کہا کہ ابن تیمیہ ایک مبتدع انسان ہے جس کے شر سے عوام کو محفوظ رکھنا ضروری ہے

۱ـہ ابن سبعین: قطب الدین عبد الحق بن ابراہیم بن محمد المقدسی ثم المکی (۶۱۴ - ۶۶۹ھ)

۲ـہ ابن عربی: الشیخ ابوبکر محمد بن علی محی الدین الطائی الحاتمی المرسی الاندلسی ۵۶۰ھ کو پیدا ہوئے اور دمشق میں ۶۳۸ھ کو وفات پائی۔ آپ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

قاضی زین الدین بن مخلوف مالکی (۸۱۷ھ) بھی نصر سے مل گیا۔ ہر دو نے رکن الدین جاشنگیر[۱] سے مدد مانگی قضاۃ مصر نے تجویز پیش کی کہ ابن تیمیہ کو قاہرہ میں طلب کیا جائے لیکن نصر متفق نہ ہوا۔ ابن مخلوف نے نصر سے کہا کہ امرائے دولت میں پراپیگنڈا کرنے کے لئے آپ پر ابن تومرت[۲] کی طرح قیام سلطنت

بقیہ حاشیہ ص) اور آپ کے پیرو اتحادیہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ حلولیہ اور اتحادیہ میں ایک بیّن فرق ہے۔ سیاہی کپڑے میں اور سفیدی دودھ میں حال ہے لیکن سیاہی اور کپڑا نیز سفیدی اور دودھ متغائر بالذات ہیں اسی طرح حلولیہ کے ہاں خدا مخلوق میں حال ہے لیکن پھر بھی ذات کے لحاظ سے جدا ہے۔ اتحادیہ حلولیہ سے ایک قدم آگے بڑھ کر مخلوق کو عین خالق اور عبد کو عین معبود قرار دیتے ہیں۔ حلول میں دوئی قائم رہتی ہے اور اتحاد میں مٹ جاتی ہے۔

بقیہ حاشیہ ۳ ۔ ابن فارض: آپ کا پورا نام شیخ شرف الدین ابوالقاسم عمر بن علی بن مرشد الحموی ہے۔ آپ نے درس حدیث ابن عساکر سے لیا تھا اور عبدالعلیم المنذری آپ کا شاگرد ہے۔ آپ عرصہ تک درس و تدریس میں محو رہے۔ اس کے بعد دنیا سے کنارہ کش ہو کر مکہ شریف میں خلوت نشین ہو گئے۔ آپ ابن عربی کے بہت بڑے معتقد تھے۔ وفات ۶۳۲ھ۔ (شذرات ابن العماد ص ۱۴۹/۵)

[۱] بیبرس جاشنگیر: یہ منصور قلاوون کا ایک ترکی النسل غلام تھا جو ترقی کرتے کرتے جاشنگیر کے منصب پر فائز ہو گیا۔ جاشنگیر "چاشنی گیر" کا معرب معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جاشنگیر کا یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ شاہی دستر خوان پر بذلہ گوئی و لطیفہ سنجی سے بادشاہ کی تفریح طبع کا سامان پیدا کرے۔ اس طرح کے تمام مناصب کی تفصیل قلقشندی نے صبح الاعشیٰ میں اور حافظ تاج الدین سبکی نے معید النعم میں دی ہے۔

جاشنگیر ابن عربی کا پیرو تھا۔ اس کی ایک مشہور خانقاہ دمشق میں باب النصر کے پاس تھی کہ جس میں ۴۰۰ صوفی قیام پذیر تھے۔ بیبرس نے ۷۰۱ھ میں حج کیا اور اواخر ذیقعدہ ۷۰۹ھ میں دنیا سے چل بسا۔ ابن حجر کی درر کامنہ اور ابن العماد کی شذرات ص ۱۹/۶ پر جاشنگیر کے مفصل حالات زندگی درج ہیں۔

[۲] ابن تومرت: ابن تومرت جبل السوس کا باشندہ تھا۔ اس نے سیادت کے علاوہ مہدویت کا دعویٰ بھی کیا تھا اس نے بعض علوم مروجہ مغربی ممالک میں حاصل کئے اور پھر مشرق میں آگیا (بقیہ برصفحہ آئندہ)

کا الزام لگایا جائے۔

جب یہ فتنہ کافی زور پکڑ گیا تو ناصر[1] (بادشاہ مصر) نے ایک خط نائب السلطنت[2] دمشق کی طرف آپ کے عقائد کو پرکھنے کے لئے لکھا چنانچہ ۸ رجب (بقول صاحب درر کامنہ ۱۰ رجب ۷۰۵ھ کو نائب السلطنت کے محل میں ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں بڑے بڑے فقہا و قضاہ

بقیہ صفحہ گذشتہ: اور امام غزالی کے خلاف مدتوں زہر اگلتا رہا۔ اس کے اتباع میں سب سے زیادہ مشہور عبداللہ الونشریسی تھا اور یہ دونوں مل کر کام کیا کرتے تھے۔

جب ابن تومرت کا اثر بڑھ گیا تو یہ ۵۱۴ھ میں عبداللہ کو ساتھ لے کر مراکش میں پہنچا اور وہاں انقلاب پیدا کرنے کی سازش کی چنانچہ گرفتار ہو گئے۔ مالک بن وہب وزیر مراکش نے امیر کو اس کے قتل کا مشورہ دیا لیکن امیر نے رحمدلی سے کام لے کر اسے معاف کر دیا اور یہ اپنے وطن میں لوٹ آیا لیکن قیام سلطنت کی مساعی کو جاری رکھا چنانچہ ایک چھوٹی سی سلطنت کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ سلطنت ایک سو سال تک باقی رہی۔ ابن تومرت کا خیال یہ تھا کہ یہ سلطنت نزول مسیح تک، باقی رہے گی۔

ابن تومرت کے خلاف میں سے عمر بن یحییٰ کو عبدالمؤمن نے ولایت ٹیونس پہ حاکم مقرر کر دیا تھا۔ یہ خاندان ۳۷۰ سال تک حکمران رہا۔ ابن تومرت کو بعض علماء اسلام خطار کار مجتہد اور بعض دیگر مفسد خیال کرتے ہیں۔

[1] ملک ناصر۔ آپکا پورا نام محمد بن قلادون بن عبداللہ الصالحی تھا۔ ولادت ماہ صفر ۶۸۴ھ اپنے بڑے بھائی اشرف کے قتل ہو جانے کے بعد ۱۵ محرم ۶۹۳ھ کو نو سال کی عمر میں تخت سلطنت پر متمکن ہوا اور الشجاعی کو وزیر سلطنت مقرر کیا۔ پانچ سال کے بعد شجاعی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ امور سلطنت کا اہتمام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آقش الافرم کو نائب دمشق مقرر کر دیا۔ قلمرو میں امن قائم کرنے کے بعد ناصر ۷۱۲ھ کو حج پہ روانہ ہو گیا۔ ناصر نے زندگی میں تین دفعہ حج کیا۔ اول ۷۱۲ھ۔ دوم ۷۲۰ھ اور سوم ۷۳۲ھ میں۔ ۶۹۴ھ میں معزول ہوا۔ ۶۹۹ھ میں دوبارہ تخت پہ بیٹھا۔ ۷۰۹ھ میں استعفاء دیا اور جاشنگیر کے قتل کے بعد ۷۰۹ھ میں پھر تخت نشین ہوا۔ وفات ۷۴۱-۷۴۲ھ۔ (ابن کثیر و کواکب)

[2] الافرم: آقش الافرم الجرکسی منصور قلادون کے ممالیک میں سے تھا۔ شروع ہی سے شہسواری کا شوقین تھا۔ شاہ ناصر نے جب امور سلطنت کا اہتمام اپنے ہاتھ میں لیا تو افرم کو دمشق میں نائب السلطنت

موجود تھے۔ آپ کو بلا کر شاہی حکم سنایا گیا۔ آپ نے کہا "آج سے سات سال پہلے کہ ابھی تاتاری دمشق پہ حملہ آور نہیں ہوئے تھے۔ میں نے واسط کے ایک بزرگ قاضی رضی الدین کے کہنے پہ اہلِ واسط کی اصلاح کے لئے ایک تحریر موسوم بہ عقیدۂ واسطیہ لکھی تھی جس میں میرے عقائد درج ہیں چنانچہ اس مجلس میں اُس تحریر کا ایک حصّہ پڑھا گیا اور اس پہ بحث ہوئی۔

۱۲ رجب ۷۰۵ھ کو نمازِ جمعہ کے بعد دوسری مجلس منعقد ہوئی جس میں پہلے شیخ صفی الدین محمد بن ابراہیم الہندی الشافعی الدہلوی ثم المکی (۶۴۴-۷۱۵ھ) اور اس کی ناکامی کے بعد شیخ کمال الدین بن الزملکانی[1] کو مناظرہ کے لئے منتخب کیا گیا۔ مؤخر الذکر نے نہایت قابلیت سے مقابلہ کیا۔ دورانِ مناظرہ ابنِ تیمیہ کی طلاقت لسانی۔ زورِ دلائل اور کثرتِ توجیہات سے تنگ آ کر صفی ہندی نے کہا "تم چڑیا کی طرح پھدکتے پھرتے ہو کسی ایک بات پہ قائم نہیں رہتے" بڑی دیر تک یہ بحث جاری رہی۔ جس میں مخالفین کو تسلیم کرنا پڑا کہ آپ کے عقائد درست ہیں۔

لیکن جب محفل برخاست ہو گئی تو مخالفین نے مشتہر کر دیا کہ آپ اپنے عقائد باطلہ سے تائب ہو گئے ہیں۔

۲۲ رجب کو المزی[2] نے بخاری کی کتاب افعال العباد سے ایک فصل جامع مسجد میں پڑھ کر سنائی جس پہ شوافع سیخ پا ہو گئے اور کہا کہ اس کا رُوئے سخن ہماری طرف تھا چنانچہ المزی کو

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بنا کر بھیجا۔ افرم بڑا مخیر، علم دوست، با اخلاق، رحمدل اور فیاض طبع انسان تھا۔ اہلِ دمشق اس سے بہت محبت کرتے تھے اور شعرا اسکی شان میں قصائد مدحیہ پیش کرتے۔ کہتے ہیں کہ اُس پُر آشوب زمانے میں بھی افرم نے کسی بیگناہ کا خون نہ بہایا۔ کچھ عرصہ کے بعد ملک ناصر افرم سے بدظن ہو گیا اور مجبوراً افرم بھاگ کر خربندہ (ملک تاتار) کے ہاں چلا گیا۔ خربندہ نے اسکی بڑی عزت کی اور ہمدان کا والی بنا دیا۔ ۷۲۰ھ میں فالج گرا اور چند ہی دنوں میں افرم داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔

(شذرات ابن العماد۔ ص ۱۴۴/۶)

۱؎ زملکانی کی وفات ۷۲۷ھ میں ہوئی تھی۔

۲؎ شیخ جمال الدین یوسف دمشق کے ایک نواحی گاؤں مزہ کے رہنے والے تھے۔ وفات ۷۴۲ھ

قاضی نجم الدین ابنِ صصری شافعی کے سامنے پیش کیا گیا اور اسے سزا ہو گئی۔ جب ابنِ تیمیہ کو علم ہوا تو جیل خانہ میں جا کر اسے چھڑا لایا۔ قاضی شافعی یہ سنتے ہی قلعہ کی طرف چل دیا۔ ہر دو نائب سالار کے ہاں جمع ہو گئے۔ جہاں ابنِ تیمیہ نے قاضی صاحب کی خوب خبر لی۔

اس کے بعد نائب السلطنت ہفتہ بھر شکار کھیلتا رہا۔ اس دوران میں قاضی جلال قزوینی نے آپ کے اصحاب میں سے ایک کو پکڑ کر غلط عقاید کے الزام میں کوڑے لگا دیئے۔ اسی طرح قاضی حنفی ۵۴۷ھ نے دو پیروانِ ابنِ تیمیہ کو سزا دی جب نائب السلطنت واپس آیا اور امام نے اس بد سلوکی کی شکایت کی تو نائب نے منادی کرا دی کہ جو آدمی آپ کے عقاید پر نکتہ چینی کرے گا اس کی تمام جائداد ضبط کر لی جائے گی اور اس کا خون حلال سمجھا جائے گا۔

سات شعبان ۷۰۵ھ کو بدھوار کے دن قصرِ املت میں تیسری مجلس منعقد کی گئی جس میں صدر مجلس قاضی القضاۃ نجم الدین بن صصری۔ ابن الزملکانی کی کسی بات پہ ناراض ہو گئے اور کرسئ صدارت چھوڑ کر چلے گئے۔

۲۶ شعبان ۷۰۵ھ کو شاہی گرامی نامہ بایں مضمون موصول ہوا۔

"ما بدولت کو ان مجالس کا علم ہوا جو عقاید ابنِ تیمیہ کو پرکھنے کے لئے منعقد ہوئی تھیں اور ہمیں یہ سن کر مسرت ہوئی کہ ابنِ تیمیہ عقاید سلف کا پابند ہے۔"

(البدایہ۔ ج ۱۴۔ ص ۳۷)

تفصیلِ مناظرات[۱]

ابنِ تیمیہ خود ایک مقام پہ فرماتے ہیں "جب شاہِ مصر کے پاس میرے خلاف مسلسل شکایات پہنچیں تو انہوں نے نائب السلطنت دمشق کو میرے عقاید کے امتحان کے لئے ایک خط لکھا چنانچہ سوموار ۸ رجب ۷۰۵ھ کو علماء کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں مجھے نائب السلطنت نے کہا کہ یہ مجلس تمہارے اعتقادات کو پرکھنے کے لئے منعقد کی گئی ہے۔ اس لئے کہ تم اہالیانِ مصر کو بذریعہ خطوط اپنے اعتقادات کی طرف دعوت دیتے رہتے ہو۔ میں نے کہا کہ اعتقاد کا ماخذ نہ تو میں ہوں نہ اور کوئی جو مجھ سے بڑا ہو

---

۱ یہ تفصیل کواکب اور البدایہ ج ۱۴ کے کئی صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔

بلکہ قرآن و سنّت ہیں۔ باقی رہا خطوط کا مسئلہ سو میں نے کسی کو خود خط نہیں لکھا۔ صرف سوالات کے جوابات دیئے ہیں اور مجھے معلوم کر کے افسوس ہوا ہے کہ رکن الدین جاشنگیر اور بعض دیگر لوگوں نے میرے خطوط کی عبارت کو غلط سلط معانی پہنا دیئے ہیں۔" اس کے بعد نائب نے کہا "تم اپنے اعتقادات لکھواؤ۔" چنانچہ شیخ کمال الدین زملکانی لکھنے پہ مامور ہوا اور میں نے صفات۔ قدر۔ ایمان۔ آخرت۔ امامت۔ تفضیل وغیرہ کے متعلق اپنے عقاید بتلائے جن کا ماحصل یہ ہے۔

اللہ کی ذات پہ خدا و رسول کے ارشاد کے مطابق بلا تحریف[1] تعلیل تکییف و تمثیل ایمان لانا چاہیئے۔ قرآن غیر مخلوق ہے۔ اللہ افعالِ عباد کا خالق ہے لیکن وہ نیکی کو اچھا اور معصیت کو بُرا سمجھتا ہے۔ اللہ اپنے افعال کا بھی خالق ہے۔ ایمان و دین قول و عمل کا نام ہیں جن میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ اہلِ قبلہ کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں ہو سکتے اور نہ اہلِ ایمان میں سے کوئی خالد فی النار ہو گا۔ رسول ؐ کے بعد خلفاء کا درجہ حسبِ خلافت ہے جو شخص علی ؓ کو عثمان ؓ پہ ترجیح دیتا ہے وہ مہاجرین و انصار کے متحدہ فیصلہ کی ہتک کرتا ہے۔

یہاں پہنچ کر میں نے امیرِ مجلس کو کہا۔ ممکن ہے بعض یہ سمجھیں کہ اس وقت جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کسی دباؤ کے ماتحت کہہ رہا ہوں اس لئے میں یہاں وہ تحریر پڑھنا چاہتا ہوں جو میں نے حملۂ تاتار سے تقریباً سات سال پہلے سپردِ قلم کی تھی بعض لوگوں نے میرے عقائد کو عوام کے سامنے مسخ شدہ صورت میں پیش کیا ہے جس کے لیے وہ مستحق تعزیر ہیں۔ اگر ایک یہودی بادشاہ

---

[1] تحریف: الفاظ یا معانی میں حسبِ خواہش تبدیل کرنا۔ تعلیل: دلائل دینا۔ تکییف: کیفیت بیان کرنا اور تمثیل: مثال پیش کرنا۔ قرآن حکیم و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاتھ پاؤں۔ کان اور آنکھیں وغیرہ ہیں۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ان احادیث و آیات پہ بلا تاویل و دلیل ایمان لانا چاہیئے۔ اللہ کے پاؤں ہیں لیکن یہ جاننے کی کوشش کرنا کہ کیسے ہیں۔ اُن کی کیفیت کیا ہے کس چیز سے ملتے ہیں۔ عبث ہے۔ ہمارا فرض صرف ایمان لانا ہے۔ ان چیزوں کی حقیقت معلوم کرنا نہیں۔

سے انصاف کا تقاضہ کرے تو بادشاہ انصاف کرنے پر مجبور ہے۔ مَیں یہودی سے کم نہیں ہوں پھر اپنا حق نہیں مانگتا بلکہ بادشاہ سے بادشاہ کا حق یعنی انصاف مانگ رہا ہوں۔

اس کے بعد مَیں نے اپنی تحریر عقیدہ واسطیہ پیش کی اور بتلایا کہ چند سال پیشتر ارضِ واسطہ کے ایک بزرگ مفتی رضی الدین الواسطی میرے ہاں آئے اور شکایت کی کہ وہاں کے لوگوں کے عقاید بگڑ چکے ہیں اس لئے ان کی اصلاح کے لئے کوئی تحریر دیجیے۔ مَیں نے کہا کہ کتب اعتقاداتِ آئمہ سے لبریز ہیں۔ کہا۔ ہونگی۔ لیکن مجھے آپ کی تحریر کی ضرورت ہے چنانچہ مَیں نے عصر و مغرب کے درمیانی وقفہ میں یہ عقیدہ لکھا جس کے بہت سے نسخے مصر و عراق میں جا چکے ہیں۔

میرِ محفل نے ارشاد فرمایا کہ تم خود یہ تحریر مت پڑھو تاکہ حاضرین یہ نہ سمجھیں کہ تم حسبِ موقعہ کوئی لفظ گھٹا یا بڑھا رہے ہو چنانچہ شیخ کمال الدین نے یہ تحریر مجلس کے سامنے پڑھی۔ بعض حاضرین اور خود امیر نے بعض مقامات کی تفصیل طلب کی۔ ایک گروہ کے لہجہ و طرزِ سوالات سے ان کے اندرونی عناد کا پتہ چلتا تھا۔ بحث کے دوران کئی سوال پوچھے گئے جن میں سے بعض کے جوابات درج ذیل ہیں۔

سوال ۱: خدا پر بلا تحریف و تعطیل و تکییف و تمثیل ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: بعض فرقوں نے قرآن کے معانی میں تحریف کر کے صفاتِ خدا کے متعلق نہایت باطل اعتقادات وضع کر لئے ہیں۔ جہمیہ[1]۔ قدریہ[2] اور رافضہ[3] کے عقاید باطلہ کی بنا قرآن کے الفاظ

---

[1] جہمیہ: جہم بن صفوان (۱۲۸ھ) کے پیرو۔ جو انسان کو افعال میں مجبورِ محض سمجھتے تھے (شہرستانی کتاب الملل صفحہ ۸۶ ۱۲۷)

[2] قدریہ: یہ انسان کو افعال میں مختار سمجھتے تھے اس عقیدے کا واضع معبد الجہنی (۸۰ھ) تھا۔ یہ بصرے میں آیا تھا اسے حجاج نے قتل کر دیا تھا۔ یہ تقدیر کا منکر تھا اور خدا کو شر پہ قادر نہیں سمجھتا تھا۔ اس کے بڑے بڑے پیرو ابو مروان غیلان بن مروان دمشقی (۱۲۵ھ) ابو الہذیل العلاف بصری (۲۲۶ھ) اور ابراہیم بن سیار بن ہانی النظام (۲۳۱ھ) تھے (محمود بکبیشی۔ الفرق الاسلامیہ مصر ۱۹۳۲ صفحہ ۱۵۱ کوکن صفحہ ۱۴۰)

[3] رافضہ: وہ لوگ جو حضرت حسینؓ کے پوتے زید بن علی بن حسین (۱۲۱ھ) کو ایک مہم میں اسلئے چھوڑ گئے تھے کہ آپ ... ۴۷

پہ رکھی گئی ہے۔ ایک مومن کا فرض ہے کہ وہ اللہ پہ حسب ارشاد خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا تاویل و تحریف ایمان لائے۔ ہمارا فرض اتنا ہی ہے کہ خدا کے ہاتھ پاؤں مانیں اُسے عرش پہ متمکن خیال کریں لیکن یہ سب کچھ بلا کیف مانیں۔ استوا کی حقیقت بتلانا یا خدا کے ہاتھ پاؤں کا کوئی خاص تصور قائم کر کے اس پہ دلائل دینا۔ درست نہیں۔

سوال ۲:۔ اگر ہم قرآن کی ان آیات پہ بلا تاویل ایمان لائیں تو خدا کو مادی و مجسم تسلیم کرنا پڑیگا؟

جواب: خدا کے ہاتھ پاؤں ہیں لیکن اُن کی کیفیت بیان کرنا مسلم کے فرائض سے خارج ہے وہ کیسے ہیں۔ کس چیز سے مشابہ ہیں ہم نہیں بتلا سکتے۔ مَیں بار بار کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ اگر قرونِ ثلثہ[1] کے علماء و آئمہ میرے عقاید کے خلاف فیصلہ دے دیں تو مَیں ان سے تائب ہو جاؤں گا۔ امام حنبل جو باتفاقِ علماء اُس زمانہ کے اھدی الناس و سب سے بڑا راست رو تھے۔ یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

اس کے بعد امیر نے خلق قرآن و مسئلہ حرف و صوت پر مزید تفصیل طلب کی۔ مَیں نے عرض کیا کہ قرآن غیر مخلوق ہے لیکن صوتِ قاری و روشنائی ازلی نہیں۔ اس موقعہ پہ مَیں نے اپنی ایک پرانی تحریر پیش کی جس میں صحابہ۔ تابعین اور بزرگانِ سلف کے اقوال درج تھے۔

اس مقام پہ میرے ایک مخالف نے میری تعریف کی۔

مَیں نے یومِ آخرت پر اس رنگ میں روشنی ڈالی کہ تمام محفل صدا ہائے تحسین و آفرین سے گونج اٹھی۔

پھر مسئلہ تقدیر کو واضح کیا۔ اس کے بعد بحث ایمان کے سلسلے میں مجھ پہ کئی سوالات کئے گئے استواء پہ بحث کرتے ہوئے میں نے کہا۔ خدا عرش پہ مقیم ہے لیکن ہمارے پاس بھی ہے "ھُوَ مَعَکُمْ" (وہ تمہارے پاس ہے) جس طرح دور ہونے کے باوجود چاند کی روشنی ہمارے قریب ہے اسی طرح عرش پہ مقیم ہونے کے باوجود اللہ ہمارے پاس بھی ہے۔

سوال ۳:۔ اگر خدا کو قمر سے تشبیہ دی جائے تو خدا کا آسمان پہ مقیم ہونا ثابت ہوگا اور یہ تجسیم ہے؟

---

[1] قرونِ ثلثہ: صحابہ۔ تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ۔

مَیں نے کہا جواب لکھیئے۔ اس پر مخالفین کہنے لگے۔ آج دیر ہو چکی ہے۔ باقی بحث پھر سہی ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس مسئلہ کا اچھی طرح مطالعہ کر لیں۔ نیز محفل کا اختتام سوالات پر ہو تاکہ میرے متعلق مزید غلط فہمیاں پھیلائی جا سکیں لیکن خیر خواہوں کے اصرار پر اُسی روز جوابات دیئے گئے اور قرآن وسنت کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔

دوسری مجلس ۲۱ رجب کو نماز جمعہ کے بعد منعقد ہوئی جس میں مخالفین اپنی تمام طاقت کے ساتھ نمودار ہوئے۔ اُن لوگوں کے ساتھ صفی الدین ہندی بھی تھا۔ مَیں نے مجلس گذشتہ کے بعض مسائل کو واضح کرتے ہوئے کہا۔

اللہ نے ہمیں اتحاد کا حکم دیا ہے لیکن ہم بعض فروعی اختلافات کی وجہ سے فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ تقریر کے دوران میں "معتزلہ" کا لفظ آگیا۔ امیر نے اس کے معنی پوچھے۔ مَیں نے عرض کیا کہ امتہ اسلامیہ میں سب سے پہلا اختلاف فاسق پر ہوا تھا۔ خوارج اسے کافر اور اہلِ سنت مومن کہتے تھے۔ ایک دِن حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ) کے شاگرد[1] واصل بن عطا (۱۳۱ھ) اسی مسئلے پر اپنے استاد سے علیحدہ ہو گئے اور معتزلہ (علیحدہ ہو جانیوالا) کہلانے لگے۔

صفی الدین ہندی نے روک کر کہا کہ یہ غلط ہے۔ پہلا اختلاف مسئلہ کلام پر ہوا تھا جسے عمرو بن لبید نے شروع کیا تھا اور واصل بن عطا نے جاری رکھا۔

مَیں نے کہا۔ تم غلط کہتے ہو مسئلہ کلام پر اختلاف عہدِ مامون یعنی تیسری صدی کے اوائل میں ہوا تھا۔

صفی الدین گھبرا کر کہنے لگا "شہرستانی کی الملل والنحل میں یونہی درج ہے۔

میں نے کہا یہ غلط ہے۔ شہرستانی نے صرف متکلمین کی وجہ تسمیہ پر بحث کی ہے۔ اس پر حاضرین نے اسے بُرا بھلا کہا اور وہ شرمندہ ہو کر بیٹھ گیا۔

مَیں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ مجھے علم ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی بدعت

---

[1] واصل بن عطا کا عقیدہ یہ تھا کہ فاسق نہ کافر ہے نہ مومن بلکہ دونوں کے بین بین ہے عمرو بن لبید اس کا پیرو تھا۔

اور پہلا مبتدع کون تھا۔ شہرستانی نے متکلمین کی وجہ تسمیہ بیان کرنے میں یقیناً ٹھوکر کھائی ہے یہ لوگ مسئلہ کلام میں اختلاف پیدا کرنے سے پہلے بھی متکلمین کہلاتے تھے۔ واصل بن عطا اس وقت بھی متکلم کہلاتا تھا۔ جب مسئلہ کلام چھڑا ہی نہ تھا۔ واصل، عمرو بن لبید کا ہم عصر تھا۔

اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے کہا۔ اگر میری طرف چند بدعتیں منسوب کی گئی ہیں تو یہ تاریخ کا نیا افسانہ نہیں۔ امام حنبل۔ شافعی، ابوحنیفہ، حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ۔ اور رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وہ چیزیں منسوب کی گئیں جو ان کے وہم و خیال میں بھی نہ تھیں۔ مجھ پر تجسیم کا الزام وہی لوگ لگاتے ہیں جو خود اس جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ کرامیہ[1]۔ شافعیہ[2] اور اکراد[3] میں تشبیہ و تجسیم کے قائل بہت زیادہ ہیں۔ لفظ حشویہ کو واضح کرتے ہوئے میں نے کہا کہ یہ لفظ معتزلہ کی ایجاد ہے۔ یہ لوگ عوام کو حشو کہا کرتے تھے۔ یہ اصطلاح عمرو بن لبید نے وضع کی تھی۔ عبداللہ بن عمر عوام سے تھا اس لئے وہ خود حشوی اور اس کی جماعت حشویہ کہلاتی تھی۔ تجسیم کا پہلا قائل ہشام بن حکم[4] رافضی تھا۔"

دوسری مجلس کے بعد میرے ایک دوست صفی الدین ہندی کے ہاں گئے اور پوچھا "ابن تیمیہ کی تقریر کے بعد ایک گروہ نے اس سے اتفاق ظاہر کیا تھا لیکن تم نے کہا تھا کہ میں نہ موافق ہوں نہ مخالف یہ کیا؟"۔

کہا۔ "اس کی دو وجہیں تھیں۔ اول یہ کہ میں پہلی مجلس میں موجود نہ تھا۔ اس لئے تمام تقریر سن نہ سکا۔ دوم سب مجھے مخالفین اپنی جماعت کے لئے لے گئے تھے۔ اب میرے لئے حق کے ساتھ

---

[1] کرامیہ: ابوعبداللہ محمد بن کرام سجستانی (۲۵۵ھ) کے پیرو۔ یہ لوگ اللہ کو مجسم سمجھتے تھے۔ ان کے کئی فرقے تھے مثلاً عابدیہ۔ واحدیہ وغیرہ۔ (ملل۔ ج۔ ۱۔ ص ۱۰۸)

[2] شافعیہ: امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس (۲۰۴ھ) کے پیرو۔

[3] اکراد: کرد کی جمع۔ چند وحشی قبائل جو عراق کے شمال میں ارمینیہ تک آباد ہیں۔

[4] ایک شیعی متکلم جو ابوالہذیل علاف بصری۔ معتزلی (۲۲۶ھ) سے مناظرے کیا کرتا تھا۔

اتفاق مشکل ہوگیا تھا اس لئے خاموش رہا۔"

دوسری محفل کے دوران مجھے تمام عقیدہ دُہرانے کا کئی دفعہ حکم ہوا لیکن بعض نے خوفِ طوالت سے مخالفت کی۔ البتہ جستہ جستہ مقامات دوبارہ پڑھے گئے اور ان پہ بحث ہوئی۔ اللہ نے حق کا بول بالا کیا اور باطل کو دوسری دفعہ شکست نصیب ہوئی۔ ان مجالس کے بعد سب نے فیصلہ دیا کہ میرے اعتقادات صحیح ہیں گو بعض نے اس وقت ہاں میں ہاں ملا دی لیکن بعد میں منحرف ہو گئے اور پہلے سے بڑھ چڑھ کر مخالفت کرنے لگے۔

فقرائے رفاعیہ سے مقابلہ

فقرائے رفاعیہ کی نسبت شیخ ابوالعباس احمد بن ابی الحسن علی بن احمد بن یحییٰ بن حازم بن علی بن رفاعہ ۵۷۸ھ کی طرف ہے۔ شیخ احمد کے والد ابوالحسن علی شمالی افریقہ سے ہجرت کر کے عراق کے ایک گاؤں اُم عبیدہ میں آ گئے تھے۔ یہ محرم ۵۰۰ھ میں فوت ہوئے اور ان کی وفات سے چند روز بعد احمد کی ولادت ہوئی۔ احمد کے ماموں شیخ منصور جو عراق کے ایک شہر بطائح سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک بلند پایہ صوفی تھے۔ انہوں نے وفات سے پہلے احمد کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا۔ احمد نے عبادت اور اپنے مریدوں کی تربیت کی خاطر اپنے گاؤں میں ایک زاویہ بنایا اور اس کی شاخیں شام، مصر اور ہندوستان میں بھی قائم کر دیں۔ یہ حضرت غوثِ اعظم بغدادی (۵۶۱ھ) کا معاصر تھا اور ان سے اکثر ملتا تھا۔

حافظ ابنِ قیم اور علامہ ذہبی شیخ احمد کو ایک صالح بزرگ سمجھتے تھے لیکن سوا سو سال بعد ان کے مریدوں میں کئی بدعات راہ پا گئی تھیں۔ یہ عبادات سے غافل ہو چکے تھے اور عوام پہ اپنی ولایت کا سکہ بٹھلانے کے لئے مختلف قسم کے شعبدے دکھاتے تھے۔ ان میں سے بعض آگ میں کود پڑتے تھے۔ بعض زندہ سانپوں کو نگل جاتے تھے اور بعض غیب سے پھول اور پھل برساتے تھے۔

جب امام ابن تیمیہ نے اس فرقے کے اعمال و عقائد کو ہدفِ تنقید بنایا تو ان میں اشتعال پیدا ہو گیا اور یہ ۸ جمادی الاولیٰ ۷۰۵ھ کو ہاتھوں میں کڑے اور گلے میں زنجیریں پہنے ابن تیمیہ سے نپٹنے کے لئے جامع دمشق میں جا گھسے۔ امام نے ایک فقیر کے گلے سے زنجیر کھینچ

لی۔ اس پہ اُن کا اشتعال اور بڑھ گیا۔ اگر حاضرین مداخلت نہ کرتے تو اچھا خاصہ ہنگامہ ہو جاتا۔ یہ لوگ مسجد سے نکل کر اعضا کو مختلف طریقوں سے جنبش دیتے۔ بڑبڑاتے اور بد دعائیں دیتے۔ قریب کی ایک نہر میں جاکر لوٹنے لگے۔ جب اس واقعہ کی اطلاع افرم تک پہنچی تو اس نے رفاعیہ کے شیخ اور ابن تیمیہؒ کو اپنے ہاں طلب کیا۔ وہاں امام نے کہا کہ ان فقرار میں اچھے لوگ بھی ہیں لیکن کثرت ایسے افراد کی ہے جو مشرک اور بدعتی ہیں۔ یہ لوگ قرآن وسنت کو ترک کرکے کذب و تلبیس اور مکائد وحیل سے کام لیتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کو فریب دینے کے لئے جسم پہ مینڈک کا تیل مل کر آگ میں گھس پڑتے ہیں آپ نے فقرار کو للکار کر کہا کہ آؤ جسموں کو گرم پانی اور سرکہ سے دھو کر آگ میں داخل ہوں جو جل جائے۔ وہ جھوٹا اور اس پہ خدا کی لعنت۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ اگر بالفرض تم آگ سے بچ کر نکل آؤ۔ پانی کی سطح پہ چل کر دکھا دو۔ یا ہوا میں اڑنے لگ جاؤ، پھر بھی یہ خوارق تمہارے ایمان کی شہادت نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ دجالِ اکبر باوجود کافر ہونے کے ہزارہا شعبدات دکھائے گا۔ بادل اس کے اشارے پر برسیں گے۔ کھنڈرات دفائن الٹ دیں گے۔ زمین سے سبزیاں نکل کر دیکھتے دیکھتے بڑی ہو جائیں گی لیکن بایں ہمہ وہ ملعون وکاذب سمجھا جائے گا۔ بایزید بسطامی فرماتے ہیں :-

"کسی آدمی کو ہوا میں اڑتے دیکھ کر دھوکہ نہ کھا جانا"

آپ کی اِس تقریر کے بعد نائب السلطنت نے حکم دیا کہ جو آدمی کتاب وسنت سے انحراف کرے گا۔ اس کا خون حلال سمجھا جائے گا۔ [۱]

مصر میں طلبی

پچھلے صفحات میں ہم کہہ چکے ہیں کہ امام نے ۷۰۴ھ میں ایک خط مصر کے ایک ذی اثر شیخ نصر بن سلیمان المنبجی (۷۱۹ھ) کو لکھا تھا جس میں ابنِ العربی (۶۳۸ھ) پہ سخت تنقید کی تھی۔ اس خط سے شیخ موصوف مشتعل ہو گیا۔ مصر کے نائب السلطنت بیبرس جاشنگیر (۷۰۹ھ) کو ساتھ ملا کر سازش شروع کر دی اور امام پہ یہ الزام لگایا کہ وہ ابنِ تومرت (۵۲۲ھ) کی طرح ایک متوازی

---

[۱] مجموعۃ الرسائل والمسائل۔ مناظرۃ ابن تیمیہ مع الرجالۃ الرفاعیۃ ص۱۴۳ (ؔ۲ آئندہ صفحے پہ)

سلطنت قائم کرنا چاہتے ہیں جب یہ خبریں شاہِ ناصر تک پہنچیں تو اس نے ۶ رمضان ۷۰۵ھ کو نائبِ دمشق کی طرف لکھا کہ وہ ابنِ تیمیہ کو مصر روانہ کریں۔

آپ ۱۲ رمضان ۷۰۵ھ کو مصر کے لئے روانہ ہوئے اور ایک بہت بڑا ہجوم ایک منزل تک آپ کے ساتھ گیا۔ ۱۷ رمضان کو آپ مصر میں داخل ہوئے اور جمعرات ۲۲ رمضان ۷۰۵ھ کو آپ قاہرہ میں وارد ہوئے۔ دوسرے دن نماز جمعہ کے بعد ایک مجلس منعقد ہوئی اس میں آپ نے اپنے عقاید کی تفصیل پیش کی۔ چند روز بعد شمس الدین محمد بن احمد بن عدلان (۷۴۹ھ) نے قاضی رضی الدین علی بن مخلوف النویری المالکی (۷۱۸ھ) کی عدالت میں امام کے خلاف ایک مقدمہ دائر کر دیا کہ بقولِ امام:

۱۔ خدا عرش پر ہے۔

۲۔ وہ حروف و صوت کے ساتھ گفتگو کرتا ہے۔

۳۔ اور یہ کہ اس کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔

قاضی نے آپ سے جواب طلب کیا۔ آپ نے حسبِ معمول حمد و ثنا سے تقریر شروع کی قاضی کہنے لگا ہم نے تمہیں خطبہ پڑھنے کے لئے نہیں بلایا۔" آپ نے طیش میں آکر کہا "تم میرے مخالف ہو۔ میں تمہارا حکم ماننے کے لئے تیار نہیں۔" نتیجتاً قاضی نے آپ کو جیل میں بھیج دیا جہاں سے آپ چند روز بعد عید کی رات کو "برج جب" میں منتقل کر دیئے گئے۔ آپ کے دونوں بھائی شرف الدین عبداللہ اور زین الدین۔ عبدالرحمان بھی آپ کے ساتھ تھے۔ قاضی مالکی نے ساتھ ہی کہا کہ جو آدمی ابن تیمیہ کے عقاید قبول کرے گا اسے موت و ضبطِ جائیداد کی سزا دی جائیگی۔ اس حکم کی ایک نقل نائبِ دمشق کو بھی بھیجی گئی جسے شیخ شمس الدین محمد بن شہاب الدین

(بقیہ بر صفحہ گذشتہ) ابو عبداللہ محمد بن تومرت کا تعلق بربروں کے ایک قبیلے مسمودہ سے تھا اس کے پیرو موحدین کہلاتے تھے۔ اس کے جانشین عبدالمومن (۵۲۴۔۵۵۸ھ) نے ۵۴۱ھ میں مرابطین کو شکست دیکر ان کی قلمرو پہ قبضہ کر لیا تھا۔

۵ کواکب ص ۱۷۸۔

محمود حنبلی (۷۲۷ھ) نے جامع دمشق میں پڑھ کر سنایا۔ ابن شہاب محمود نے یہ حکم جامع مسجد میں پڑھ کر سنایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حکم سنتے ہی سرے سے ڈر کر بہت سے حنابلہ نے شوافع ہونے کا اعلان کر دیا۔

پورے ایک سال بعد عید الفطر ۷۰۶ھ کی رات کو نائب السلطنت سیف الدین[1] نے شافعی مالکی اور حنفی قضاۃ اور چند فقہاء کو بلا کر آپ کی رہائی پہ بحث کی۔ قضاۃ نے چند شرائط پیش کرتے ہوئے کہا کہ ابن تیمیہ ان پہ کاربند رہے تو ہمیں اس کی رہائی پہ کوئی اعتراض نہیں۔ نائب السلطنت نے آپ کو طلب کیا لیکن آپ نہ آئے۔ قاصد چھ دفعہ گیا اور ناکام لوٹا۔

ذی الحج ۷۰۶ھ[2] میں آپ کے دونوں بھائی نائب السلطنت کے ہاں طلب کیے گئے۔ جہاں قاضی مالکی بھی موجود تھا۔ شیخ شرف الدین نے قاضی موصوف کے غلط طریق کار پہ اس قدر فاضلانہ بحث کی کہ مالکی مبہوت ہو کر رہ گیا۔ بحث کے بعد ہر دو بھائی جیل میں واپس چلے گئے دوسرے روز صرف شیخ شرف الدین کو بلایا گیا اور ابن عدلان کو بحث کے لئے انتخاب کیا گیا دیر تک گفتگو جاری رہی اور ابن عدلان لاجواب ہو گیا۔

جمعہ کے روز ماہ صفر ۷۰۷ھ کو صبح سے صلوٰۃ الجمعۃ تک قاضی بدر الدین بن جماعہ نے قلعہ میں آپ سے بحث کی۔ (البدایہ۔ ج ۱۴۔ ص ۴۲)

۲۳ ربیع الاول ۷۰۷ھ کو امیر حسام الدین مہنا[3] بن عیسیٰ (۷۳۵ھ) امیر عرب مصر میں وارد ہوا جس کی سفارش پر جمعہ کے روز آپ کو برج جب سے نکالا گیا۔ اسی روز قلعہ میں نائب السلطنت کے ہاں ایک محفل منعقد ہوئی جس میں بعض فقہاء کو طلب کیا گیا۔ نماز جمعہ تک بحث ہوتی رہی پھر نماز کے بعد مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن کسی نتیجہ پہ نہ پہنچ سکے۔

اتوار کے دن ۲۵ ربیع الاول ۷۰۷ھ کو پھر ایک مجلس نائب السلطنت کے ہاں منعقد ہوئی جس میں فقہاء تو حاضر تھے لیکن تمام قضاۃ غیر حاضر تھے۔ فقہاء میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

---

[1] امیر سیف الدین سالار ۶۹۸ھ سے ۷۰۹ھ تک مصر کا نائب السلطنت رہا۔ ملک ناصر نے اسے ۷۱۰ھ میں قتل کر دیا

[2] عمری ص ۲۵۲۔ اور البدایہ ج ۱۴۔ ص ۴۵۔ (عمری۔ ص ۲۴۵)

[3] البدایہ۔ ج ۱۴۔ ص ۴۵۔

نجم الدین بن الرفع۔ علاؤ الدین علی التاجی۔ فخر الدین بن بنتِ ابی سعد۔ عزّ الدین النمراوی شمس الدین بن عدلان۔

اس مجلس کا انجام آپ کی رہائی پر ہُوا۔ آپ نے نائب السلطنت کے ہاں رات کاٹی سوموار کی صبح کو آپ نے احبابِ دمشق کو ایک خط لکھا جس میں مرقوم تھا۔

"میں رہا ہو گیا ہوں اور قاہرہ میں مقیم ہوں نائب السلطنت نے مجھے چند روز کے لئے ٹھہرا لیا ہے تاکہ لوگ مجھے مِل کر میرے علم و فضل کا صحیح اندازہ لگا سکیں"

آپ "برج جب" میں اٹھارہ ماہ تک محبوس رہے آپ کی رہائی پر ہر طرف خوشیاں منائی گئیں شیخ امام نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی نے اس موضوع پر ایک قصیدہ لکھا جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔ (کواکب ص۱۷۹)

۱۔ فاصبر ففی الخطب ما یغنیک عن حیل وکل صعب اذا اصابرته ھانا

صبر کرو کہ مصائب میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ صبر و استقلال سے مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

۲۔ ولست تعدم عن خطب رھیت بہ احدی ثنتین فایقن ذاک ایقانا

یقین کرو کہ مصیبتوں کے دو بڑے بڑے فائدے ہیں جن میں ایک آدمی کو ضرور ملتا ہے

۳۔ تمحیص ذنب لتلقی اللہ خالصۃ او امتحانا بہ تزداد قربانا

مشکلیں یا تو گناہ کا کفارہ بنتی ہیں تاکہ تم اللہ کے پاس پاک ہو کر جاؤ اور یا آزمائش ہوتی ہیں۔ تاکہ جذبۂ قربانی بڑھے۔

۴۔ یا سعد انا لنرجوان تکون لنا سعدًا و مرعاک للزوار سعدانا

او بلند قسمت انسان! ہمیں امید ہے کہ تم ہمارے لئے اور باقی زائرین کے لئے باعث سعادت بنو گے۔

۵۔ وان یضرّ بک الرحمٰن طائفۃ ولّت و ینفع من بالود والانا

اور کہ آپ کی وجہ سے اللہ اس گروہ کو نقصان پہنچائیگا کہ جس نے آپ کی مخالفت کی اور کہ حامیوں پہ رحمت کی بارشیں برسائے گا۔

۶۔ یا اھل تیمیۃ العالین مرتبۃ ومنصبًا فرع الافلاک تبیانا

یا اھل تیمیۃ العالین مرتبۃ ۔ ومنصباً فرع الافلاک تبیانا

اے افرادِ خاندانِ تیمیہ! تم وہ بلند مرتبت لوگ ہو جو علم و بیان کے تمام منازل رفیعہ طے کر چکے ہیں۔

۷۔ جواھرالکون انتم غیر انکم ۔ فی معشر شرلوا فی العقل نقصانا

تم کائنات کے جواہر ہو لیکن بدقسمتی سے ایسے لوگوں کے ساتھ پالا پڑ گیا ہے جو عقل کے دشمن ہیں۔

۸۔ لا یعرفون لکم فضلا ولو عقلوا ۔ جعلوا لکم الاجفان اوطانا

یہ لوگ تمہارے علم و فضل سے آشنا نہیں۔ اگر ہو جائیں۔ تو تمہارا گھر اپنی آنکھوں میں بنائیں۔

۹۔ یا من حوی من علوم الخلق ما قصرت ۔ عنہ الاوائل مذ کانوا الی الآنا

تم لوگ اس قدر وسیع علوم و معارف کے مالک ہو کہ اوائل و اواخر میں تمہاری نظیر نہیں ملتی۔

۱۰۔ ان تبتلی بلئام الناس یرفعھم ۔ علیک دھر لاھل الفضل قد خانا

اگر آج لئیم الطبع انسان حکومت کے بلند مناصب پر فائز ہو کر تمہیں اذیت دے رہے ہیں تو یہ تاریخ کا کوئی نیا افسانہ نہیں۔ زمانہ اہل فضل کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔

۱۱۔ انی لاقسم والاسلام معتقدی ۔ وانني من ذوی الایمان ایمانا

میں بحیثیت ایک صحیح الاعتقاد مسلم ہونے کے قسم کھا کر کہتا ہوں

۱۲۔ لم الق قبلک انسانا اسر بہ ۔ فما برحت لعین المجد انسانا

کہ آپ سے پہلے میں نے کوئی ایسا انسان نہیں دیکھا جس سے مل کر روحانی و دماغی مسرت حاصل ہوئی ہو۔ اللہ کرے کہ آپ چشم رفعت و عظمت میں سدا پتلی بن کر رہیں۔

شاعر موصوف نے کئی اور نظمیں بھی آپ کی مدح اور اعدا کی مذمت پر لکھی ہیں۔ رہائی کے بعد آپ نے جامع الحکم میں نماز جمعہ پڑھائی اور نماز کے بعد عصر تک اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ

پر تقریر فرماتے رہے۔

آپ کچھ عرصہ تک اہلِ مصر کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ ہمیشہ وعظ فرماتے۔ پھر وحدۃ الوجودیوں یعنی محی الدین ابن عربی و ابن سبعین وغیرہ کی خبر لینا شروع کی۔ شوال ۷۰۷ھ کو ۵۰۰ صوفی تاج الدین ابوالفضل احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عطاء اللہ الاسکندرانی (۷۰۹ھ) کی زیرِ قیادت قلعہ کے نیچے جمع ہو کر ابنِ تیمیہ کے مظالم کے خلاف دہائی دینے لگے چنانچہ شاہی فرمان کے مطابق ۱۰ شوال ۷۰۷ھ کو ایک علمی مجلس منعقد ہوئی جس میں آپ کے علم و فضل، صدق و توکل فصاحت و بلاغت، جرأت و شجاعت، قوۃ قلب اور حق گوئی کا وہ مظاہرہ ہوا کہ قلم لکھ نہیں سکتا۔ (کواکب ص۱۸۱)۔

بقول علم الدین البرزانی (۷۳۸ھ) اس شکایت کے بعد آپ کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا قید یا مشروط آزادی۔ آپ نے قید پسند کی لیکن احباب کے سخت اصرار پر آپ نے دمشق میں پابندیوں کے ساتھ رہنا منظور کر لیا چنانچہ ۱۸ شوال کی رات کو آپ بذریعۂ ڈاک روانہ ہو گئے۔ (کواکب ص ۱۸۰)

جب قاضی زین الدین بن مخلوف مالکی (۷۱۸ھ) کو آپ کی روانگی کا علم ہوا۔ تو بیمار ہونے کے باوجود نائب سالار کو فوراً چٹھی لکھی کہ ابنِ تیمیہ کو رہا نہ کیا جائے۔ دوسرے روز آپ کو پہلی منزل یعنی "بلبیس" سے واپس بلا لیا گیا اور قاضی القضاۃ بدرالدین ابن جماعۃ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ شرف الدین بن الصابون اور علاء الدین القونوی نے آپ کے خلاف شہادت دی۔ کسی نے آپ سے کہا کہ حکومت آپ کو حبس میں رکھنا چاہتی ہے۔ قاضی القضاۃ نے کہا کہ مصلحت بھی اسی میں ہے۔

سماعتِ مقدمہ کے بعد قاضی شمس الدین التونسی المالکی کو حکمِ قید سنانے کے لئے کہا گیا۔ اس نے کہا کہ آپ کے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں اس لئے میں ضمیر کشی کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کے بعد نورالدین الزواوی کو اختیارات دیئے گئے۔ لیکن وہ بھی گھبراہٹ ظاہر کرنے لگا۔ آپ نے کہا: میں جیل میں جا رہا ہوں اور تم یہاں بیٹھ کر وہ کرو جو تقاضائے مصلحت ہو۔" نورالدین نے سفارش کی کہ آپ کو بہترین جیل میں بھیجا جائے۔ چنانچہ آپ کو حارۃ الدیلم (حبس القضاۃ) میں بھیج دیا گیا

اور چند نوکر خدمت کے لئے دے دیئے گئے۔ (البدایہ ج ۱۴۔ ص ۴۶)

جیل میں آپ نے زندانیوں کو نرد و شطرنج اور دیگر انواعِ لہو و لعب میں مشغول اور ذکرِ الٰہی سے غافل پایا۔ آپ نے انہیں نماز کی تلقین کی۔ اعمالِ صالحہ، تسبیح و تہلیل اور استغفار و دُعا کی طرف توجہ دلائی اور چند ہی روز میں وہ جیل خانہ ایک عبادت خانہ بن گیا۔ آپ کے ہاں لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ آپ علمی استفسارات کے جواب لکھتے اور لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتے۔ یہ بات آپ کے اعداء کو ناگوار گذری اور آپ کو وہاں سے زندانِ اسکندریہ میں منتقل کر دیا گیا۔ وہاں آپ ایک بُرج میں مقید کر دیئے گئے جس کی ایک کھڑکی سمندر کی طرف کھلتی تھی اور جس سے اکابر، فقہا، اعیانِ شہر داخل ہو کر آپ سے متمتع ہوتے تھے۔ آپ یہاں ۸ ماہ تک مقیم رہے اس اثنا میں آپ کی موت کی افواہیں بار ہا پھیلیں لیکن اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا۔

۷۰۹ھ میں جب شاہ مصر کرک[1] سے لوٹا تو ۸ شوال کو آپ کی رہائی کا فرمان نافذ کر دیا۔ رہا ہونے کے بعد آپ قاہرہ کو روانہ ہو گئے اور وہاں ۱۸ شوال کو پہنچے۔

بادشاہ نے جمعہ کے روز ۲۴ شوال ۷۰۹ھ کو ایک شاہی محفل آراستہ کی جس میں فقہا و قضاۃ مصر بھی موجود تھے۔ بادشاہ نے فقہاء قضاۃ سے آپ کی صُلح کرائی اور پھر شاہی اعزازات سے نوازا۔ (البدایہ ج ۱۴۔ ص۔ ۵۱)

حافظ بن عبدالہادی بن قدامہ کہتے ہیں:-

"میرے ایک دوست قاضی جمال الدین بن القلانسی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک رات جب اعداء نے آپ کے متعلق مختلف افواہیں پھیلا رکھی تھیں۔ میں نے قاضی مذکور سے پوچھا کہ ان افواہوں میں کہاں تک صداقت ہے کیا آپ کو دوبارہ زندان میں بھیج دیا جائے گا؟ قاضی صاحب نے کہا یہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ بادشاہ آپ کے تبحر علمی اور صداقتِ ایمان سے آگاہ ہے پھر

---

[1] لبنان میں ایک جگہ۔ جب جاشنگیر مصر کا بادشاہ بن گیا تو شاہ ناصر نے کرک میں پناہ لی۔ ایک سال بعد یعنی ۷۰۹ھ میں ملک ناصر نے مصر پہ حملہ کیا۔ جاشنگیر بھاگ گیا اور ناصر دوبارہ تختِ مصر پہ قابض ہو گیا۔

قاضی صاحب نے مندرجہ ذیل حکایت سنائی۔

حکایت: جب شاہِ مصر جاشنگیر کو شکست دینے کے بعد اُمراء قضاۃ اور نائب شام الافرم کے ہمراہ داخلِ مصر ہوا تو ایک دربار منعقد کیا جس میں شاہ کی دائیں طرف قضاۃِ مصر اور بائیں طرف قضاۃ شام تھے۔ ابن صصری شاہ کے بائیں جانب ذرا نیچے قاضی الحنفیہ، اس کے بعد جمال الدین اور پھر ابن الزملکانی تشریف فرما تھے۔ میں ابن الزملکانی کے پہلو میں تھا اور ذرا آگے اعیان و امراء بیٹھے ہوئے تھے۔ بادشاہ دفعۃً تخت سے اٹھ کر دروازے کی طرف چل دیئے۔ ہم حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے تو معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ تشریف لا رہے ہیں ہر دو ایک علیحدہ کمرے میں چلے گئے کچھ دیر کے بعد ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایوان میں داخل ہوئے۔ بادشاہ تخت پر بیٹھ کر ابن تیمیہ کی تعریف کرنے لگا۔ اور امراء و فقہا ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ بادشاہ نے اس حد تک آپ کی مدح سرائی کی کہ آپ کے احباب تک اسے مبالغہ سمجھنے لگے۔ (البدایہ۔ ج۔۱۴۔ ص۔۵۴)

حافظ بن قدامہ کہتے ہیں:-

"میں نے خود ابن تیمیہ سے شاہی خلوت کی تفصیل پوچھی فرمانے لگے۔ بادشاہ نے بعض حاضرین دربار کی موت کا ایک فتویٰ دکھا کر مجھ سے استصواب کیا مجھے یاد آگیا کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے جاشنگیر کے ہاتھ پر شاہ کے خلاف بیعت کی تھی۔ گو یہ تمام میرے دشمن تھے لیکن میں نے کہا کہ اگر تم نے ان کو قتل کر دیا تو پھر تمہاری سلطنت میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہوں گے۔ میں نے ان کی اتنی تعریف کی کہ شاہ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

"قاضی زین الدین بن مخلوف المالکی کہا کرتا تھا کہ ہم نے ابن تیمیہ کو ایذا دینے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی لیکن جب اسے موقعہ ملا تو ہمیں معاف کر دیا۔ (ایضاً ص۵۴)

اس کے بعد آپ قاہرہ میں مشہد الحسین کے پاس رہنے لگے اور تدریس و تبلیغ میں مصروف ہو گئے آپ کے ہاں ہر وقت لوگوں کا تانتا بندھا رہتا۔ یہ بات ایک تنگ نظر فقیہہ نور الدین ابوالحسن علی بن یعقوب بن جبریل البکری کو گراں گذری اور اس نے ۴ رجب ۷۱۱ھ کو چند غنڈوں کو ساتھ لے کر ابن تیمیہ پر حملہ کر دیا۔ انہیں ان کے گھر میں پیٹا اور گھسیٹا۔ جب یہ خبر شہر میں پھیلی

تو عوام کا ایک ہجوم جس میں فوج کے سپاہی بھی شامل تھے آپ کے ہاں آیا اور انتقام کی اجازت مانگی لیکن آپ نے اجازت نہ دی۔

حافظ ابنِ قدامہ فرماتے ہیں: "میرے ایک دوست کہتے ہیں کہ میں اتفاقاً اس روز مصر میں تھا فرقہ حسینیہ اور دیگر لوگوں کا ایک ہجوم جس میں سوار اور پیادہ سپاہی بھی شامل تھے۔ آپ کے ہاں آیا۔ یہ لوگ انتقام کے لئے بیتاب تھے اور کہتے تھے کہ اگر حکم ہو تو تمام مصر کو تباہ کر دیں۔ آپ نے پوچھا: "یہ سب کچھ کس لئے؟" ہجوم نے کہا: "آپ کے لئے۔" آپ نے کہا: "میں اپنے لئے اتنا فتنہ پسند نہیں کرتا۔" ہجوم نے کہا۔ ہم آپ کے مخالفین کے گھروں کو آگ لگا کر ان کے خون سے زمین کا دامن سرخ کر دیں گے۔" فرمایا۔ یہ شرعاً ناجائز ہے۔" تو کیا جو سلوک انہوں نے کیا وہ شرعاً جائز تھا۔ فرمایا۔ اگر انہوں نے میرا قصور کیا ہے۔ تو میں نے معاف کر دیا۔ اگر اللہ کا قصور کیا ہے تو اللہ خود ان سے سمجھ لے گا۔ اگر تمہارا کچھ بگاڑا ہے اور تم میری سننے کے لئے تیار نہیں تو جاؤ جو جی میں آئے کرتے پھرو۔" اس جواب کے بعد ہجوم آہستہ آہستہ منتشر ہو گیا۔

آپ سات سال تک مصر میں مقیم رہے۔ کچھ عرصہ بعد عساکر سلطانیہ کے ہمراہ آپ شام کو چل دیئے۔ عسقلان پہنچ کر بیت المقدس کی زیارت کو روانہ ہو گئے۔ وہاں سے فارغ ہو کر دمشق کا ارادہ کیا۔ یکم ذیقعدہ ۷۱۲ھ کو پورے سات سال اور سات ماہ بعد سرزمین وطن میں پہنچے۔ ایک اجتماع عظیم نے آپ کا استقبال کیا اور گھر گھر خوشیاں منائی گئیں۔

امام دمشق میں

حافظ بن قدامہ کہتے ہیں۔ آپ دمشق میں پہنچ کر نشر علم۔ افتاء، تصنیف اور خدمتِ خلق میں مصروف ہو گئے۔ آپ بسا اوقات آئمہ اربعہ کے موافق اور بعض اوقات مخالف چلتے۔ آپ کے وہ مشہور مسائل جن کی وجہ سے آپ کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ان میں سے ایک مسئلہ طلاق ہے۔ آپ کی رائے یہ تھی کہ ایک وقت میں تین طلاقیں ایک طلاق کے برابر ہوں گی کہ حلف بالطلاق (اگر میں فلاں بات کروں تو میری بیوی مجھ پہ حرام ہو جائے) میں کفارہ ادا کرنے سے طلاق ٹل جاتی ہے۔ مسئلہ طلاق پہ آپ نے بیس کے قریب کتابیں لکھی تھیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

(۱) تحقیق الفرقان بین التطلیق والایمان۔

(۲) الفرق المبین. بین الطلاق والیمین۔

(۳) قاعدة فی ان جمیع ذنوب المسلمین مکفرة۔

(۴) قاعدة فی تقریر ان الحلف بالطلاق من الایمان حقیقہ۔

(۵) التفضیل بین التکفیر والتضلیل۔

ایک دفعہ مصر سے اسی موضوع پر کسی نے ایک سوال بھیجا جس کا جواب آپ نے تین جلدوں میں دیا۔

جمعرات نصف ربیع الآخر ۷۱۸ھ کو آپ سے قاضی شمس الدین بن مسلم الحنبلی نے مسئلہ طلاق پر ترک افتار کی درخواست کی۔

سنیچر کے دن جمادی الاولیٰ ۷۱۸ھ کو شاہی فرمان بایں مضمون وارد ہوا کہ علما کی ایک مجلس حلف بالطلاق پر غور کرنے کے لئے منعقد کی جائے اور اس دوران میں ابن تیمیہ اس موضوع پر کوئی فتویٰ جاری نہ کریں۔ سوموار ۲ جمادی الآخرلی ۷۱۸ھ کو دار السعادة میں ایک مجلس منعقد ہوئی۔ بحث و تمحیص کے بعد قرار پایا کہ آپ اس مسئلہ پر آئندہ کوئی فتویٰ جاری نہ کریں چنانچہ بہ ماہ مذکور کو شہر میں منادی کرادی گئی لیکن آپ افتار سے باز نہ آئے۔ آپ کہا کرتے تھے۔

لا یسعنی کتمان العلم۔

(ترجمہ) میرے لئے علم کو چھپانا بہت مشکل ہے۔ (البدایہ ج ۱۴ ص ۹۳ و ابو زہرہ ص ۱۶۹)

منگلوار ۱۹ ر رمضان ۷۱۹ھ کو تمام علما نائب السلطنت کے ہاں دار السعادة میں جمع ہوئے آپ کو طلب کیا گیا اور شاہی حکم وعلما کے متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی پر تنبیہ کی گئی اور حکم دیا گیا کہ آئندہ اس جرم کا ارتکاب نہ ہو۔

۱۲ ر رجب ۷۲۰ھ کو دار السعادة میں پھر ایک مجلس کا انعقاد ہوا۔ آپ کو بلایا گیا اور حکم سلطانی کی خلاف ورزی پر قید کی سزا دی گئی۔ آپ پانچ ماہ اور اٹھارہ یوم تک قلعہ میں محبوس رہے

(البدایہ۔ ج ۱۴۔ ص ۹۷)

سوموار ۱۵ محرم ۷۲۱ھ کو فرمان شاہی آپ کی رہائی کے متعلق موصول ہوا اور آپ پھر نشر علم میں مصروف ہو گئے۔ ۷۲۶ھ کے دوران آپ کے خلاف مسئلہ

شد الرحال[۱] (زیارت قبور) پر بہت شور اٹھا اور وہ اُودھم مچا کہ آپ کے بڑے بڑے حامی گھبرا گئے۔ کچھ آپ کو چھوڑ گئے اور باقیماندہ سہم گئے۔ آپ اطمینان سے حالات کا مطالعہ کرتے رہے۔ اسی دوران میں مخالفین نے آپ کے متعلق ایک مجلس منعقد کی بحث کے بعد ایک نے رائے دی کہ آپ کو جلا وطن کر دیا جائے کچھ عرصہ کے بعد وہ خود جلا وطن ہو گیا۔ ایک صاحب نے زبان کاٹ دینے کا مشورہ دیا۔ بعد میں اس کی اپنی زبان کٹ گئی۔ اسی طرح ایک نے کوڑوں اور دوسرے نے حبس کی سزا تجویز کی اور وہ خود ان سزاؤں کا شکار بنے۔

ایک اور جماعت بادشاہ کے ہاں جا کر قتل شیخ کے متعلق اصرار کرتی رہی لیکن شنوائی نہ ہوئی۔ ہاں فتنہ کو فرو کرنے کے لئے جلالۃ الملک نے یقین دلایا کہ وہ مناسب کاروائی کرینگے چنانچہ ۶ شعبان ۷۲۶ھ کو ابن خطیر (شاہی حاجب) آپ کی قید کا حکم لے کر وارد ہوا۔ قلعہ تک پہنچنے کے لئے گھوڑا روانہ کیا گیا۔ اس فرمان کو پڑھ کر امام بہت مسرور ہوئے اور فرمایا: "میں اسی بات کا منتظر تھا اس میں میرے لئے خیرِ عظیم ہے۔" قلعہ میں ایک خوب صورت کمرہ فارغ کرایا گیا۔ آپ کے بھائی زین الدین بھی آپ کے ہمراہ تھے تاکہ جیل خانے میں امام کے حوائج یومیہ کا خیال رکھیں ایام قید کے لئے وظیفہ باندھ دیا گیا۔ جمعہ ۱۰ شعبان ۷۲۶ھ کو جامع دمشق میں شاہی فرمان پڑھا گیا جس میں یہ بھی درج تھا کہ آپ آئندہ فتویٰ نہیں دے سکتے (البدایہ ج ۱۴۔ ص ۱۲۳)

بدھوار نصف شعبان ۷۲۶ھ کو قاضی نجم الدین ابن صصری الشافعی نے آپ کے بعض احباب کو قید کر دیا۔ بعض دیگر کو کوڑوں کی سزا دی اور تمام شہر میں ان کے خلاف منادی کرائی ان میں سے کچھ ڈر کی وجہ سے روپوش ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد امام شمس الدین محمد بن ابی بکر امام الجوزیہ کے سوا باقی سب کو رہا کر دیا گیا۔ (ابوزھرہ ص ۱۲۳)

مسئلہ زیارت قبور آپ کے پاس نمازِ سفر کے متعلق ایک استفسار موصول ہوا جس کے جواب میں آپ نے "زیارت قبور" پر مفصل روشنی ڈالی۔ سوال مع جواب

---

[۱] ایک حدیث ہے کہ لا تشد الرحال۔ الخ کہ صرف تین مقامات کی زیارت کے لئے اونٹوں پہ کجاوے باندھو۔ مسجد نبوی۔ مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام کے لئے۔

درج ذیل ہے:۔

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین ایسے آدمی کے متعلق جس نے قبور انبیاء و صالحین کی زیارت کا ارادہ کیا۔ کیا وہ سفر میں قصر صلوٰۃ کر سکتا ہے۔ اور کیا یہ زیارت شرعی ہے؟

جواب

اس مسئلہ کے متعلق دو قول ہیں۔

۱۔ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ سفر خلاف شریعت ہے اس لئے قصر صلوٰۃ جائز نہیں۔

۲۔ ابو حنیفہ، امام غزالی، امام شافعی و احمد بن حنبل کے بعض اصحاب اس سفر کو جائز سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کے ہاں قصر صلوٰۃ بھی جائز ہے۔ ان حضرات نے اپنے فیصلہ کی بنیاد مندرجہ ذیل احادیث پر رکھی ہے۔

(۱) ومن زارني بعد مماتي فكانما زارني في حياتي (دارقطنی)

ترجمہ: جس نے موت کے بعد میری زیارت کی، گویا وہ زندگی میں مجھ سے ملا۔

(۲) من حج ولم يزرني فقد جفاني۔

ترجمہ: جس نے حج کیا لیکن میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم توڑا۔

(۳) من زارني وزار ابي ابراهيم في عام واحد ضمنت له الجنة۔

ترجمہ: جس نے ایک ہی سال میں میرے بزرگ باپ ابراہیمؑ کی اور میری زیارت کی میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہونگا۔

یہ احادیث رواۃ ثقہ میں سے کسی نے روایت نہیں کیں اور نہ کسی نے ان سے استناد کیا ہے۔

ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ الحنبلی المقدسی (۶۲۰ھ) نے جواز سفر کی بنا اس واقعہ پہ رکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد قبا کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے مقدسی نے حدیث "لا تشد الرحال" کا جواب دینے کی بھی کوشش کی ہے حالانکہ اس حدیث کی صحت پر تمام ائمۃ حدیث متفق ہیں اس لئے اگر کوئی آدمی ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف عبادت و

اعتکاف کے لئے سفر کرے تو ناجائز ہے. اگر مسجد حرام (کعبہ) کی طرف حج و عمرہ کا عہد باندھے تو ایفائے عہد واجب ہو جاتا ہے اور اگر مسجد اقصیٰ یا مسجد نبوی میں صلوٰۃ و اعتکاف کے لئے سفر کا عہد کرے تو شافعیؒ و مالکؒ کے ہاں ایفا واجب اور ابو حنیفہؒ کے ہاں واجب نہیں. علمائے ملت کے ہاں سرنیک عہد کا ایفا واجب ہے. بخاری میں عائشہؓ سے مروی ہے.

من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ. ومن نذر ان یعصی اللہ فلا یعصیہ.

ترجمہ: جو انسان کسی نیکی کا عہد باندھے تو پورا کرے اور جو شخص گناہ کا عہد کرے تو عہد کو توڑ ڈالے.

چونکہ یہ سفر طاعت و نیکی ہے اس لئے ایفا واجب ہے. ان تین[1] مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف عہدِ سفر کا ایفا واجب نہیں. یہاں تک کہ مسجد قبا کا سفر بھی جائز نہیں. ہاں اہل مدینہ کے لئے اس کی زیارت مستحسن ہے اس لئے کہ اُس صورت میں سفر مفقود ہے.

صحابہ و تابعین میں سے کسی نے بھی قبور انبیاء و صالحین کی طرف سفر نہیں کیا. اور علماء و ائمہ نے اسے غیر مستحسن قرار دیا ہے. سُنن ابی داؤد میں ہے.

لا تتخذوا قبری عیدًا وصلوا اینما کنتم. فان صلوٰتکم تبلغنی حیثما کنتم.

ترجمہ: میری قبر پہ میلہ مت لگاؤ تم جہاں بھی ہو. وہیں سے مجھ پہ صلوٰۃ بھیجو اس لئے کہ تمہاری صلوٰۃ مجھ تک پہنچ جاتی ہے.

سنن سعید بن منصور میں درج ہے کہ عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب نے ایک آدمی کو جو رسول اللہ کی قبر پہ عموماً آیا جایا کرتا تھا. فرمایا. کہ تم اور ایک اندلس کا باشندہ برابر ہیں. اس لئے کہ رسول اللہ کو ہر درود کی صلوٰۃ پہنچ جاتی ہے اور تمہیں قبر پہ جانے کی ضرورت نہیں.

صحیح بُخاری اور صحیح مُسلم میں روایت ہے کہ آپ نے رحلت کے وقت فرمایا.

لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد.

---

[1] لا تشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد. الی المسجد الحرام ومسجدی ھذا والمسجد الاقصیٰ

ترجمہ: اونٹوں پہ کجاوے نہ رکھے جائیں یعنی سفر نہ کیا جائے مگر تین مساجد کی طرف. کعبہ مسجد نبویؐ اور مسجد بیت المقدس.

ترجمہ: خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنا ڈالا۔
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ آپ کی قبر پرستش گاہ بن جائے گی تو آپ کو بجائے حجرہ کے صحرا میں دفن کیا جاتا۔
ولید بن عبدالملک کے عہد تک حجرۂ نبوی مسجد سے علیحدہ تھا۔ صحابہ و تابعین صلوٰۃ کے لئے اندر جاتے لیکن قبر کو مس نہ کرتے اور نہ اندر دعا مانگتے۔ دعا کے لئے مسجد میں واپس آ جاتے اور سلام کے وقت منہ قبلہ کی طرف پھیر لیتے۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ آپ پر سلام بھیجتے وقت رو بقبلہ ہونا چاہیئے۔ اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ سلام دیتے وقت زائر رو بقبر ہو لیکن دعا کے وقت قبلہ رو ہونا ضروری ہے۔ قبر کو چھونا یا چومنا بھی منع ہے۔
بعض بدعتیوں نے زیارتِ قبور و مشاہد پہ کافی احادیث وضع کی ہیں۔ حالانکہ کتاب و سنت میں مساجد کا ذکر ہوا ہے نہ کہ مشاہد کا۔ قرآنِ حکیم نے تعمیر مساجد کا حکم دیا ہے مشاہد کا نہیں۔

(۱) انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ۔

ترجمہ: مساجد کی تعمیر وہی کرتے ہیں کہ جن کا ایمان اللہ پہ محکم ہو۔

(۲) ان المساجد للہ

ترجمہ: مساجد اللہ کے لئے ہیں۔

(۳) ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ۔

ترجمہ: اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جو مساجد میں ذکر خدا نہ ہونے دے۔

حدیث میں ہے۔

کان قبلکم قوم یتخذون القبور مساجد فانی انھاکم عن ذالک۔

ترجمہ: تم میں سے پہلے ایسے لوگ بھی تھے جو قبور کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے۔ میں تمہیں اس حرکت سے منع کرتا ہوں۔ (ابوزھرہ ص ۱۶۵) و کواکب ص ۱۸۷ - ۱۹۱)

جب آپ کا یہ جواب دمشق میں شائع ہوا تو مخالفین نے مصر میں قاضی الشافعیہ کے پاس بھیج دیا۔ اس نے فتویٰ پڑھنے کے بعد مندرجہ ذیل رائے قائم کی،

"ابن تیمیہ کے ہاں قبور انبیاء کی زیارت گناہ ہے۔"

یہ ایک صریحاً اتہام ہے۔ آپ کے ہاں زیارت شدِّ رحال (سفر) کے بغیر مستحب ہے اور شدِّ رحال کے ساتھ ممنوع۔ آپ نے یہ کہیں نہیں کہا کہ زیارت مطلقاً حرام ہے۔

بہرحال جب قاضی موصوف کی رائے دیارِ مصر میں شائع ہوئی تو ابن تیمیہ کے خلاف ایک ہیجان بپا ہو گیا۔ مجبوراً بادشاہ کو آپ کی قید کا فرمان نافذ کرنا پڑا۔ (بدایہ ج ۱۴ صـ ۱۲۴)

علمائے بغداد کی تائید جب مندرجۂ بالا تحریر بغداد میں پہنچی تو علماء بغداد نے آپ کی حمایت میں آواز بلند کی۔[51] مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بعض علماء کی تحریریں ملخصاً درج کی جائیں۔

(۱) امام جمال الدین یوسف بن عبدالمحمود بن عبدالسلام الحنبلی (۷۲۶ھ) فرماتے ہیں

" ابن تیمیہ نے اپنے فتوے کی بنیاد صحیح حدیث پر رکھی ہے جس سے کوئی ذی عقل انکار نہیں کر سکتا۔ اس احسن واصح حدیث کے مقابلہ میں ضعیف احادیث کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی۔ ابن تیمیہ نے زیارۃ قبور پر دو فرقوں کے اقوال نقل کیے ہیں اور پھر ایک کی تصدیق کی ہے۔ اس پر اس قدر اشتعال لایعنی ہے کسی ایک فرقہ کی رائے سے اتحاد تاریخ کا کوئی نیا افسانہ نہیں "[52]

(۲) امام صفی الدین عبدالمومن بن عبدالحق الحنبلی (۷۳۹ھ) کہتے ہیں:-

" جو کچھ علامہ جمال الدین نے کہا ہے وہ ایک صداقت ہے۔ ابن تیمیہ کے جواب کو صرف وہی انسان غلط کہہ سکتا ہے جو یا تو جاہل ہو اور یا حسد کی آگ میں جل رہا ہو۔ (کواکب صـ ۱۹۳)

شیخ ابن الکتبی الشافعی کی رائے ملاحظہ ہو (کواکب صـ ۱۹۴)

" آپ کے فتوے میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزلت و حرمت پر حرف آتا ہو۔ کیا قبر رسولؐ کی زیارۃ سے رسولؐ کے مدارج مزید بلند ہو جائیں گے؟ یا ترکِ زیارت سے آپ کی منزلت گھٹ جائے گی؟ علماء کی ایک جماعت اس بات پر متفق ہے کہ یہ زیارۃ عبادت وطاعت میں شامل نہیں۔ قاضی ابن کج اس کے جواز کا قائل ہے لیکن کوئی نص صریح استناد

---

[51] ابوزہرہ ص ۱۷۶

[52] کواکب ص ۱۹۲

میں پیش نہیں کر سکتا۔ حدیث لا تشد الرحال میں مساجد ثلثہ کے سوا کسی اور مسجد و مشہد کی طرف سفر کرنا ممنوع ہے اور ارتکاب ممنوع صریحاً معصیت ہے۔"

(۴) محمد بن عبدالرحمٰن المالکی البغدادی فرماتے ہیں:۔ (کواکب ص ۱۹۴)

آپ کے اس فتوٰی پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ شیخ ابو محمد الجوینی نے اس موضوع پر اپنی تصانیف میں کافی بحث کی ہے اور قاضی عیاض المالکی بھی اسی چیز کا قائل ہے۔ قیروانی نے "تقریب" میں اور شیخ بن بشیر نے اپنی تصنیف "تنبیہ" میں اس سے اتفاق کیا ہے مالک "مبسوط" میں فرماتے ہیں کہ مساجد ثلثہ کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر حرام ہے۔ شیخ ابو عمر بن عبدالبر کتاب "التمہید" میں فرماتے ہیں۔

محرم علی المسلمین ان یتخذوا قبور الانبیاء مساجد۔

ترجمہ: قبور انبیاء کو سجدہ گاہ بنانا مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔

۵۔ ابو عمر و ابن ابی الولید المالکی کا فیصلہ یہ ہے:۔

مسجد نبوی کی طرف سفر جائز ہے لیکن صرف قبر نبی کی زیارت کے لئے سفر جائز نہیں کسی نے امام مالک سے پوچھا اگر کوئی شخص قبر نبی کی زیارت کا عہد باندھے تو کیا وہ پورا کرے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مسجد نبی کا عہد باندھا ہے تو پورا کرے ورنہ توڑ دے۔ (کواکب ص ۱۹۴)

علمائے بغداد کے دو خط

علمائے بغداد کی ان تحریرات کیساتھ دو خط بھی شامل تھے جو شاہ مصر کو لکھے گئے تھے ہر دو کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

پہلا خط: "حمد و ثنا کے بعد گزارش ہے کہ ہم رب العرش سے دولت ہمایوں کی بقا، سطوت اور وسعت کے لئے ہمیشہ داعی رہے ہیں آج صفحۂ گیتی پر صرف یہی وہ سلطنت ہے جس کے دامن پر خونریزی و ظلم کا کوئی دھبہ نہیں اور یہی ایک قلمرو ہے جس میں ابن تیمیہ جیسا یگانۂ زمانہ مجتہد اسلام اور رہبر ملت پیدا ہوا ہے گیتی کی ہفت کشور اور ملوک دھر کے خزائن اس در شاہوار کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ کشتی قوم کا ناخدا بجائے زینت محل ہونے کے قلعوں میں بند کیا جا رہا ہے اور اس پر وہ الزامات لگائے جا رہے ہیں۔

جن کی قطعاً کوئی اصلیت نہیں۔

جلالۃ الملک کے لئے مزید انتظار موزوں نہیں۔ اس لئے کہ ابن تیمیہ اس دہر کے یوسف ہیں جس طرح اہل کنعان قحط سے تنگ آکر یوسفؑ کے ہاں بھیک مانگنے گئے تھے اسی طرح آج دنیا کی ارواح قحطِ صداقت و عبادت کی وجہ سے ویران ہو چکی ہے۔ ابن تیمیہ ہی وہ فردِ واحد ہے جس کے پاس غذاءِ ارواح موجود ہے۔ اگر جلالۃ الملک اس ہستیٔ گرامی کو مصائب قید و بند سے آزاد فرما دیں تو یہ انسانیت پر بہت بڑا احسان ہوگا۔ امام کی تعظیم کرنے کا نتیجہ تنظیم امت، اعزازِ ملت، استحکام دولت، احیاءِ قومیت اور اعلاءِ کلمۃ الحق ہوگا۔ اسلام کی شان بڑھے گی۔ دنیا آپکے علم و عرفان سے مستفید ہوگی۔ وہم و تشکیک کی ظلمتیں دور ہو جائیں گی اور تمام قلمرو امن و عافیت کا گہوارہ بن جائیگی۔

آپ نے مسئلہ شد الرحال پر جو کچھ لکھا ہے ہم اسے صحیح سمجھتے ہیں اور اس بنا پر آپ کو قید میں رکھنا نا مناسب ہے اس لئے ہم اپنی یہ التماس دہرائے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر جلالۃ الملک شیخ الاسلام سے پابندیاں اٹھا لیں تو یقیناً اجرِ عظیم کے مستحق ہوں گے۔"

والسلام

دوسرا خط: "جب اہلِ عراق کو شیخ الاسلام کے مصائب کا علم ہوا تو ملک میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ہر گھر ماتم کدہ بن گیا اور ملاحدہ و مبتدعین کے ہاں خوشیاں منائی گئیں چونکہ آپکے یہ مصائب آپ کے فتویٰ کی وجہ سے ہیں۔ اس لئے علماء بغداد و عراق کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ یقیناً درست ہے جلالۃ الملک مسلمانانِ عالم پر احسانِ عظیم فرمائیں گے۔ اگر شیخ الاسلام کو خدمتِ اسلام کے لئے رہا کر دیں گے۔" (کواکب صفحہ ۱۹۶)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطوط یا تو بادشاہ کو پہنچے ہی نہیں اور یا آپ کی موت کے بعد موصول ہوئے۔ بہر حال ان پر کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوا اور آپ بدستور زنداں میں مقید رہے۔ ۷۲۷ھ کو آپ کے بھائی شرف الدین داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اس صدمے کا آپ پر گہرا اثر ہوا۔ اس کے

بعد لیل و نہار کا بیشتر حصہ عبادت و تلاوت میں بسر کرنے لگے۔ مجلس کے نگران و نائب نگران آپ کے آرام کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آپ جیل میں دو سال تین ماہ اور چند روز رہے۔

تصنیف و تالیف آپ کا مشغلہ رہا۔ مسئلہ زیارۃ قبور پہ کئی مجلدات سپردِ قلم کیں۔ آپ کی بعض کتب زنداں کی چار دیواری سے نکل کر اطرافِ عالم میں پھیل گئیں۔ مخالفین سے یہ برداشت نہ ہو سکا۔ اس لئے آپ کی رحلت سے کچھ عرصہ پہلے ایک شاہی حکم بایں مضمون موصول ہوا کہ آپ کو کاغذ، قلم و دوات اور تمام تصانیف سے محروم کر دیا جائے چنانچہ یہ تمام تصانیف جو چودہ ۱۴ گٹھڑیاں تھیں قاضی علاؤالدین القونوی کے ہاں مدرسہ عادلیہ میں بھیج دی گئیں۔ اس کے بعد آپ قلم دوات کی جگہ کوئلہ استعمال کرتے رہے (کواکب ص۱۹۹۔ البدایہ۔ ج۱۴۰۔ ص۱۳۲)

قلم کی جگہ کوئلہ

ابن ہادی کہتے ہیں[۱] کہ مجھے کوئلہ سے لکھے ہوئے دو ورق ملے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

پہلا ورق ایک خط پر مشتمل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط ۔۔۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

میں خوش ہوں کہ مجھ پہ عنایاتِ الٰہیہ کا سلسلہ جاری ہے۔ اللہ جو کچھ کرتا ہے نصرتِ اسلام کے لئے کرتا ہے۔ اسلام کی عظمت دنیا میں سب سے بڑی دولت ہے۔ اللہ نے رسولؐ کو اعلاؤ کر کے لئے بھیجا اور شیطان کی کوشش یہ ہے کہ وہ اپنے عساکر سے اسلامی شوکت پہ ڈاکے ڈالے ازل سے یہ الٰہی سنت چلی آتی ہے کہ وہ حمایت حق کے لئے ایسے افراد کا انتخاب کرتا ہے جو کاشانۂ باطل پہ آگ برساتے ہیں۔ ابلیس نے صرف دینِ اسلام کی مخالفت نہیں کی بلکہ تمام ادیان و ملل اور انبیاء و رسل کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی تھیں۔

مجھ پر میرے مخالفین نے مختلف الزامات لگائے لیکن اللہ نے انہیں ذلیل کیا۔ مجھے بدعتی کہا گیا حالانکہ معاملہ الٹا تھا۔ کتاب و سنت کے علم کے بعد وہی شخص بدعتی رہ سکتا ہے جسے ہوس دم نہ لینے دے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے جہاد کا موقعہ دیا اور میں نے حسبِ مقدور

---

[۱] عمری ص۔۷۹ ۔ ۵

باطل کی قلعی کھولی۔"

دوسرا ورق

"مجھ سے کتب چھین لی گئیں۔ یہ اللہ کی عنایت خاص ہے اس لئے کہ اس طرح جیل سے باہر کے لوگوں کو میری کتب پڑھ کر سچائی تک پہنچنے کا موقعہ ملے گا۔ مَیں نے اپنی تصانیف میں بعض ایسے مسائل حل کئے ہیں جو آج تک مخفی تھے۔ مَیں نے یہ کتب اندر چھپا کر رکھنے کے لئے نہیں لکھی تھیں بلکہ اس لئے کہ دنیا پڑھے اور صداقت ہر طرف پھیلے۔ یہ بھی اشاعت و تبلیغ کا ایک ذریعہ ہے۔ اللہ جو کرتا ہے۔ بندے کی بہتری کے لئے ہوتا ہے۔ اگر اُسے فائدہ پہنچے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور اگر نقصان پہنچے تو صبر کرتا ہے اور ہر دو صورتوں میں مستحق اجر بنتا ہے (ابوزھرہ۔ ص ۱۸۰)

یہ تحریر آپ نے وفات سے ڈیڑھ ماہ پہلے ماہِ شوال میں لکھی تھی۔ آپ کو رحلت سے تقریباً ساڑھے چار ماہ بیشتر کاغذ و قلم سے محروم کر دیا گیا تھا اور اس واقعہ کی تقریباً تین ماہ بعد یہ تحریر سپردِ قلم ہوئی تھی۔

غروبِ آفتاب قلم دوات سے محروم ہونے کے بعد آپ اپنا تمام وقت عبادتِ الٰہیہ تلاوت اور تسبیح میں صرف فرماتے۔ آپ ہر دس یوم کے بعد قرآن حکیم ختم کرتے۔ آپ کا فرض تبلیغ اب ختم ہو چکا تھا۔ آپ کا پیام اسلامی دنیا کے طول و عرض میں پھیل چکا تھا۔ اس لئے رُوح تنگنائے ہستی میں گھبرا گئی۔ کچھ اوپر بیس یوم تک قلعہ میں بیمار رہنے کے بعد سوموار کی رات۔ ۲۰ ذیلقعدہ ۷۲۸ھ کو وہ آفتابِ عالمتاب دُنیا کی نظروں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو گیا۔[1]

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

درگذر موت سے پہلے شمس الدین وزیر آپ کے ہاں گیا۔ قصوروں کی معافی مانگنے لگا آپ نے فرمایا۔ مَیں نہ صرف آپ کو بلکہ اپنے تمام مخالفین کو معاف کرتا ہوں۔

[1] دررِ کامنہ میں تاریخ وفات ۲۲ ذیلقعدہ درج ہے لیکن یہ صحیح نہیں اسلئے کہ تقاویم نیز ریاضی کے ایک مشہور فارمولے کیمطابق جسکی تفصیل میرے پاس محفوظ ہے سوموار ۲۰ ذیلقعدہ کو تھا اور یہی صحیح تاریخ وفات ہے۔

بادشاہ نے بدنیتی سے مجھے محبوس نہیں کیا تھا بلکہ وہ مجبور تھا۔ میں اُسے بھی معاف کرتا ہوں میں سب کو معاف کرتا ہوں سوائے ان کے کہ جو اللہ اور رسُولؐ کے دشمن ہیں۔

لطیفہ جن دنوں آپ محبُوس تھے۔ آپ ہی کی صورت کا ایک آدمی ایک رئیس نے جیل سے باہر دیکھا اور پوچھا: مَنْ اَنْتَ؟ (تو کون ہے) اس نے کہا۔ اَنَا اِبنُ تیمیۃ (میں ابن تیمیہ ہوں) وہ سٹ پٹا گیا اور فوراً حکومت کو اطلاع دی۔ ابن تیمیہ رسالہ الفرقان مطبوعہ مصر میں فرماتے ہیں کہ وہ کوئی جن ہو گا۔

پسندیدہ اشعار آپ عموماً یہ شعر پڑھا کرتے تھے

تموت النفوس باوصابھا ۔ ولم تدر عوادھا مابھا

ترجمہ: لوگ بیماریوں سے مرجاتے ہیں اور ان کے تیمار داروں کو خبر تک نہیں ہوتی کہ انہیں کیا رنج تھا۔

وما انصفت مھجۃ تشتکی اذا ھا الی غیر احبابھا

ترجمہ: جو رُوح احباب کے سوا کسی اور کے سامنے اپنے مصائب کا شکوہ کرتی ہے وہ انصاف نہیں کرتی۔

ومن لم یقد ویدس فی خیشومہ رھج الخنیس فلن یقود خمیسا

ترجمہ: جو آدمی میدان جنگ میں عنانِ تابِ اسپ نہیں اور جس کے نتھنوں میں فوج کا گرد و غبار نہیں پہنچتا وہ کبھی فوج کا سردار نہیں بن سکتا۔

مطلب یہ کہ دکھ کے بغیر دنیا میں ناموری حاصل کرنا مشکل ہے۔ زندگی موت کی آغوش میں ہے۔ وہی افراد و اقوام دنیا میں زندہ رہ سکتی ہیں جو ہر وقت مرنے کے لئے آمادہ ہوں

(عمری ص ۸۱)

باب سوم

اوصاف وخصائل

ضرورتِ تجدید صحیح حدیث میں وارد ہے اِنَّ اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ مجددًا من یجدد لھا دینھا۔ ترجمہ: اللہ ہر صدی کی ابتداء میں ایک مجدد پیدا کرتا ہے جو دینِ الٰہی کی تجدید کرتا ہے۔

جب دنیا فتنوں سے معمور ہو جائے۔ خرافات واباطیل جزو مذہب بن جائیں۔ ہر دل اور ہر گھر معبودوں سے بھر جائے اور دنیا میں امن نہ رہے تو اس وقت رحمتِ خداوندی جوش میں آتی ہے اور کسی مصلح کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔

فیضی نے بھگوت گیتا کا فارسی اشعار میں ترجمہ کیا تھا۔ ایک مقام پہ جنابِ کرشن فرماتے ہیں۔

چو بنیادِ دیں سست گردد بسے　　　نمائیم خود را بشکلِ کسے

ابنِ تیمیہ یقیناً ان بلند انسانوں میں سے تھے جو نوعِ انسان کی طرف فلاح کا پیام لے کر آتے رہے۔

اُس عہد کی سیاسی ومذہبی حالت آپ جس وقت زمین شام میں نمودار ہوئے اُس وقت (۱) خلافتِ عباسیہ پارہ پارہ ہو چکی تھی اور مسلم کی عظمت وسطوت افسانہ بن رہی تھی۔ (۲) تاتاریوں کے مظالم سے زمین لالہ زار بن چکی تھی۔ (۳) فرقہ پرستی نے مسلمانوں کو ۷۰ سے زائد فرقوں میں بانٹ رکھا تھا اور ہر طرف تکفیر وتفسیق کا ہنگامہ بپا تھا۔ (۴) بدعات کا نام ایمان تھا اور ایمان ایک نقشِ بے جان ہو کر رہ گیا تھا۔ (۵) تقلید نے ملت کو فکر واجتہاد سے محروم کر دیا تھا۔

الغرض حقانیت کا آفتاب ڈوب چکا تھا اور کفر وضلال کی ظلمتیں عالم پہ محیط ہو رہی تھیں عین اس وقت علم وہدیٰ کا ایک روشن ستارہ آسمانِ دمشق پر نمودار ہوا جس کی ضیاپاشیوں سے

دنیائے اسلام جگمگا اٹھی۔

علم و عمل کا مقامِ بلند آپ کا زمانہ علماء سے لبریز تھا۔ ابن قدامۃ (البدایہ) نے ان علماء کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ مثلاً

۱۔ ابن سید الناس الیعمری۔ (۷۳۵ھ)

۲۔ احمد بن عبدالدائم المقدسی۔ (۷۳۵ھ)

۳۔ ابن عبدالہادی (۷۴۴ھ)

۴۔ علامہ ذہبی (۷۴۸ھ)

۵۔ ابن زملکانی (۷۲۷ھ)

۶۔ ابن دقیق العید (۷۰۲ھ)

۷۔ ابوحیان اندلسی (۷۴۵ھ)

۸۔ ابنِ قیم (۷۵۱ھ)

۹۔ ابنِ قدامہ (۷۷۱ھ)

۱۰۔ برزالی (۷۳۸ھ)

۱۱۔ صدرالدین قونوی (۶۷۳ھ)

۱۲۔ الفزاری۔ وغیرہ وغیرہ (۷۲۹ھ)

الوالبرکات المخزومی کا ایک شعر ہے:۔

وَکَانَ فی عصرہٖ فی الشامِ یومَئِذٍ سبعونَ مجتہداً من کل منتخب

ترجمہ: اس وقت صرف شام میں ستر بڑے بڑے منتخب مجتہد تھے۔

یہ لوگ علم و ورع کے مقامِ بلند تک پہنچے ہوئے تھے۔ ان کی ضیا پاشیوں سے دنیا منور ہو رہی تھی لیکن علم و عمل کا جو مقامِ رفیع ابنِ تیمیہ کو حاصل ہوا۔ وہ کسی اور کے نصیب میں نہ تھا ایک بے نوا و بے برگ درویش کبھی میدان میں تلوار لے کر اعداء سے لڑتا نظر آتا ہے اور کبھی فرازِ منبر کلامِ مقدس کے اسرار کھول رہا ہوتا ہے۔ قید و بند، سازشوں اور شورشوں کی اضطراب

انگیز فضائیں رہ کر ۵۰۰ تصانیف چھوڑ جانا کوئی معمولی کارنامہ نہیں۔ آپ نے ان کتب پہ زندگی کا ایک چھوٹا سا حصّہ صرف کیا تھا لیکن آج انہیں پڑھنے کے لئے بہت لمبی عمر درکار ہے۔

مصائب

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر مختلف عنوانات کے نیچے بحث کی جائے۔ ۶۹۵ھ سے ۷۲۸ھ تک یعنی تا دمِ مرگ آپ مسلسل سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے شکار رہے۔ آپ کو سالہا سال تک محبوس رکھا گیا۔ آپ پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ دن دہاڑے حملے ہوئے اور آپ کو جیل میں قلم دوات تک سے محروم کر دیا گیا۔

یہ واقعات تاریخ تجدید و اصلاح کا کوئی نیا افسانہ نہیں، بلکہ ہر مُصلح ایسی مصائب سے دو چار ہوتا رہا۔ چند مثالیں حاضر ہیں۔

۱۔ احمد بن حنبل ۲۴۱ھ

آپ کا وطن بغداد تھا۔ آپ کے والد آپ کی طفولیت میں فوت ہو گئے تھے۔ آپ بغداد میں پلے۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر کوفہ، بصرہ، شام، مدینہ منورہ اور یمن کے مختلف مدارس میں اعلیٰ تعلیم کے لئے گئے۔ آپ کے اساتذہ میں سے ایک عالم عبدالرزاق بن ہمام یمنی فرماتے ہیں: "میرے پاس احمد جیسا کبھی کوئی طالب علم نہیں آیا۔"

علامہ بشر الحافی نے کس قدر موزوں الفاظ میں آپ کی تعریف کی تھی:

قام احمد مقام الانبیاء۔

ترجمہ: احمد کا مقام انبیاء سے کم نہ تھا۔

آپ نے چار خلفاء بغداد کا عہد دیکھا۔ معتصم باللہ، واثق باللہ، مامون اور متوکل باللہ۔ مؤخر الذکر کے سوا باقی تمام نے آپ کو سخت اذیتیں دیں۔ آپ خلقِ قرآن کے منکر تھے۔ اور محض یہی انکار آپ کی بے شمار مصائب کی وجہ تھا۔

آپ کی عمر کا ایک طویل حصّہ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بسر ہوا۔ پاؤں میں بیڑیاں پڑی رہتیں، قسم قسم کی اذیتیں دی جاتیں کہ کسی طرح آپ خلقِ قرآن کے قائل ہو جائیں لیکن وہ عزم و ایمان کا ہمالہ ایک انچ اپنے مقام سے نہ سرکا۔ حق پہ جیا اور حق پہ وفات

پائی۔ (ابُوزھرہ۔ احمد بن حنبل۔ ص ۸۱-۱۴۷)

۲۔ امام مالک بن انس (۱۷۹ھ)

آپ کو منصور عباسی کے عامل (مدینہ) نے ۱۴۵ھ میں اس الزام پہ درے لگائے کہ آپ نے ایک باغی سید کی حمایت کی تھی۔

(شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ ص ۳۲۱)

۳۔ امام ابُوحنیفہ

آپ کو اس بنا پر کہ آپ منصب قضا قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے پہلے امیہ کے عامل کوفہ یزید بن عمر بن ہبیرہ نے پٹوایا۔ اور پھر منصور عباسی نے جیل میں ڈال دیا۔ جہاں سے ۱۵۰ھ میں آپ کا جنازہ باہر آیا۔ (ایضًا ص ۹۔)

۴۔ امام شافعی مکی (۲۰۴ھ)

آپ کو یمن سے جہاں وہ قاضی تھے۔ بغداد تک پیدل۔ زنجیروں اور بیڑیوں میں لایا گیا۔ آپ پہ ایک باغی کی حمایت کا الزام تھا۔ اس وقت ہارون خلیفہ تھے (الفہرست ص ۲۹۹)

۵۔ شیخ علائی (۹۵۶ھ)

آپ ہندوستان میں بڑے پایہ کے عالم و صوفی تھے۔ آپ پہ ملا عبداللہ سلطان پوری (۹۹۰ھ) نے مہدویت اور قیام سلطنت کا الزام لگایا۔ جس پہ شیر شاہ کے بیٹے سلیم شاہ (۹۵۲-۹۶۰ھ) نے انہیں کوڑوں سے ہلاک کرا دیا اور نعش ہاتھیوں سے چروا دی۔

(دربار اکبری۔ ص ۷۸۹)

تاریخ اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے۔ اگر امام ابن تیمیہ کو بھی اسی نوع کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا شکار ہونا پڑا تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

خطابت آپ خطابت میں ید طُولیٰ رکھتے تھے۔ آپ جہاں کہیں بھی وعظ کیلئے جاتے تو بقول حافظ ابوالفتح ابن سید الناس الیعمری المصری (۷۳۴ھ) فیحضر مجلسہُ الجمّ الغفیر (ان کی مجلس میں لوگ بہت بڑی تعداد میں شامل ہوتے۔ (کواکب۔ ص ۱۴۱)

علامہ کمال الدین ابن الزملکانی (۷۲۸ھ) کہتے ہیں کہ تمام مذاہب کے فقہاء آپ کی محافل میں شامل ہو کر فیض پاتے۔ آپ کو تفسیر، حسنِ تصنیف اور حسنِ بیان میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ (الرد ص۳۰)

بدرالدین ابو محمد حسن بن عمر بن حسن دمشقی حلبی (۷۷۰ھ) فرماتے ہیں۔

"ابن تیمیہ کی تصانیف مشہور ہیں اور فتاویٰ معروف۔ آپ ہمیشہ سچی بات کہتے دقیق و جلیل مسائل پہ بحث کرتے۔ نیکی کی طرف بلاتے اور بدی سے روکتے تھے۔" (الرد ص۱۵)

برزالی (۷۳۸ھ) کا قول ہے کہ جب ابن تیمیہ قرآن کی تفسیر بیان کرتے تو لوگ آپ کے علم اور حسنِ بیاں سے مبہوت ہو جاتے تھے (الرد ص۶۵)

جب ابنِ بطوطہ (۷۷۸ھ) دمشق میں پہنچا تو آپ کو جامعہ دمشق میں محوِ خطابت پایا۔ لکھتا ہے:-

"کان ابن تیمیہ کبیر الشام. یتکلم فی الفنون. وکان اھل دمشق یعظمونه اشد التعظیم. یعظھم علی المنبر..... الخ۔"

ترجمہ: ابنِ تیمیہ شام کی ایک ممتاز ہستی تھی۔ آپ علوم و فنون کے ماہر اور اہلِ دمشق کے ہاں بے حد احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ ممبر پہ چڑھ کر وعظ کیا کرتے تھے۔" (رحلۃ ابنِ بطوطہ)

ذہبی کہتا ہے:-

آپ بچپن ہی سے محافل تقریر و مناظرہ میں شامل ہوتے اور بڑے بڑے علماء کو دلائل سے گھبرا دیتے تھے۔ آپ بحث کے وقت ایک دھاڑتے ہوئے شیر کی طرح جوش میں آجاتے تھے۔ (کواکب ص۱۴۳)

حافظ علم الدین البرزالی (۷۳۸ھ) فرماتے ہیں:-

ہر جمعہ کو آپ عام لوگوں کے سامنے درسِ قرآن دیتے۔ لوگ آپ کی معلومات، حسنِ بیان، ترجیحی اقوال کے انتخاب، تردیدی دلائل، تنقیدات اور علمی تجربہ پہ حیران رہ جاتے۔ ان

تقاریر کا اثر یہ ہوا کہ آپ کی دعا۔ طہارتِ انفاس۔ صدقِ نیت۔ صفائے۔ ظاہر و باطن اور خلوص سے دنیا اللہ کی طرف راغب ہوگئی۔ (الرد ص ۶۵)

ذہبی کہتے ہیں کہ آپ بلند اور رسیلی آواز میں درس دیتے تھے۔ آپ ذہانت اور سُرعتِ فہم میں ایک آیت (علامت) تھے (کواکب ص ۱۴۴)

تدریس و افتا

ذہبی لکھتے ہیں کہ امام نے انیسویں برس میں افتا اور اکیسویں برس میں تدریس شروع کر دی تھی (کواکب ص ۱۴۳) یہی ذہبی ایک جگہ (کواکب ۱۴۱) بردد کا زمانہ ۱۷ سال بتاتا ہے۔

ذہبی کے اقوال سے اختلاف کی بُو آتی ہے۔ ایک جگہ درس کا زمانہ اکیس افتا کا انیس اور آگے چل کر بردد کا زمانہ ۱۷ سال بتلاتا ہے اگر ابنِ قدامہ[1] کے بیان کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سترویں برس میں افتا اور اکیسویں برس میں تدریس شروع کر دی تھی لیکن مشکل یہ ہے کہ یہی ابن قدامہ ذرا آگے چل کر کہتا ہے۔

"یہ سب کچھ بیس برس کی عمر میں ہو رہا تھا"

اِن مختلف و متبائن بیانات سے گو ہم افتا و تدریس کا زمانہ متعیّن نہیں کر سکتے لیکن اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں کہ آپ افتا و تدریس میں ۱۷ اور ۲۰ کے درمیان مصروف تھے اور کہ سلسلۂ افتا تدریس سے ایک دو برس پہلے شروع ہو چکا تھا۔

بقول ذہبی "آپ ایک کرسی پر بیٹھ کر قرآن حکیم کا درس حافظہ سے دیا کرتے تھے۔ آواز بلند اور رسیلی تھی اور آپ بہتی ہوئی ندی کی طرح چلتے تھے"

ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ "آپ کی ان تقاریر کو سُن کر بڑے بڑے گنہگار تائب ہو جاتے تھے۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں[2]: "بسا اوقات مجھے ایک ایک آیت کی سو سو تفاسیر سوجھتی تھیں۔

---

[1] کواکب، ص ۱۴۴۔

[2] کواکب ص ۱۴۵

پھر میں اللہ سے دعا کرتا تھا: "یا معلّم ابراھیم فھمنی" اے معلّم ابراہیم مجھے صحیح فہم عطا کر) بسا اوقات ویران مساجد میں سربسجود ہو کر کہتا "یا معلّم ابراھیم علمنی" (اے ابراہیم کے معلّم مجھے صحیح علم دے)

آپ بقول ابن کثیر معاذ بن جبل کا قصہ عموماً بیان کیا کرتے تھے کہ جب معاذ کا دم لبوں پر آگیا تو وہ رونے لگے۔ مالک بن نخامر نے سبب پوچھا تو کہا دنیا، عیال یا آپ کی جدائی مجھے نہیں رلاتی بلکہ یہ حقیقت کہ اب میں ان علوم و معارف سے محروم ہو جاؤں گا جو آپ سے حاصل کیا کرتا تھا۔ مالک نے اس موقعہ پر بعض بڑے بڑے علماء کا نام لے کر کہا کہ اگر کوئی چیز ان سے حاصل نہ ہو تو پھر معلّم ابراہیم سے مانگی جائے۔[1]

سراج الدین ابو حفص عمر (۷۴۹ھ) کہتا ہے۔

"ایک دفعہ آپ نے دوران درس ایک مسئلہ کے متعلق کہا کہ یہ کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ سامعین میں سے ایک کہنے لگا کہ یہ ہزاروں کتب میں ملتا ہے۔ اس کے بعد آپ دوران تدریس میں بسا اوقات فرماتے: یہ مسئلہ کسی کتاب میں موجود نہیں لیکن ایک کذاب کہتا ہے کہ یہ ہزار ہا کتب میں ملتا ہے۔ دورانِ درس آپ پر علوم و معارف کے دروازے کھل جاتے۔ آپ آیات، احادیث، اشعارِ عرب اور اقوالِ سلف سے استدلال و استشہاد کرتے۔ ایک طوفانی موج کی طرح بہتے اور دریا کی طرح چلتے۔ آپ کی تقریر کا سامعین پر اس قدر رعب چھا جاتا کہ وہ آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہتے۔ ان کے دل کانپتے اور جھوم اٹھتے۔

صاحب الکواکب فرماتے ہیں:

وکان رضی اللہ عنہ قائماً فی نصر الدین واظہار الحق بادلۃ اقطع من السیوف ..... واجلی من الصباح۔ (کواکب ص ۱۶۵)

ترجمہ: امام ابن تیمیہ دین کی حمایت اور صداقت کے اظہار میں ایسے دلائل سے کام لیتے تھے جو تلواروں سے زیادہ قاطع اور صبح سے زیادہ روشن ہوتی تھیں۔

---

[1] الدر الوافر ص ۶۱۔

[2] کواکب ص ۱۵۵

حافظ سراج الدین ابوحفص عمر بن نجم الدین ابی عمر عبدالرحمٰن بن حسین اللخمی الحموی الحنبلی (۷۴۵ھ) تشاید کہتے ہیں :

کہ جب ابن تیمیہ تدریس شروع کرتے تو اللہ ان پہ اسرار و رموز اور معارف و لطائف کے دروازے کھول دیتا۔ آپ ہر دعوے کے ثبوت میں آیات، احادیث، اقوال علماء اور اشعار عرب سے سند پیش کرتے اور سمندر کی موج تند کی طرح بہتے دوران درس آنکھیں بند رکھتے۔ حاضرین کو آپ اتنے پُر جلال و عظمت نظر آتے تو ان پہ ہیبت طاری ہو جاتی۔ جب آپ بعد از درس آنکھیں کھولتے تو یُوں معلوم ہوتا کہ آپ کہیں غائب تھے اور اب واپس آئے ہیں۔ (کواکب ص۱۵۵)

بحیثیت شاعر

مجھے ان لوگوں سے اتفاق نہیں جو شاعر کو پیامبر حیات کہتے ہیں۔ شاعر کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ ان جذبات لطیفہ کو جنہیں مصور و مُطرب رنگ و صوت میں ظاہر کرتے ہیں، الفاظ کا جامہ پہناتا ہے۔ یہ فطرتاً مبالغہ پسند حساس اور پُرگو ہوتا ہے اس کا تمام زور آرائش الفاظ پہ لگ جاتا ہے اور دنیائے کردار میں عضو معطّل بن کر رہ جاتا ہے۔ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ (قرآن)

ابن تیمیہ سراپا رفتار تھا۔ اس پہ بحیثیت شاعر بحث کرنا اس کی منزلت کو کم کرنا ہے لیکن اس خیال سے کہ آپ کی حیات کا کوئی پہلو باقی نہ رہ جائے بیان کئے بغیر چارہ نہیں۔ آپ کی شاعری کا ماحصل صرف اتنا ہے کہ آپ نے چند علمی مسائل کے جوابات شعروں میں دیئے تھے اور ایک آدھ موقعہ پہ اپنے جذبات عبودیت کا اظہار کلام موزوں میں کیا تھا مندرجہ ذیل اشعار آپ نے آخری زمانۂ قید میں لکھے[1] تھے۔

(۱) انا الفقیر الی رب السّمٰوٰت انا المسکین فی مجموع حالاتی

میں ہر بات میں رب العرش کا محتاج ہوں۔ بے نوا ہوں اور ہر حال میں بیکس ہوں۔ (دوسرا مصرع بے وزن ہے)

(۲) انا الظلوم لنفسی وھی ظالمتی والخیر ان جاءنا من عندہٖ یاتی

مجھ پہ نفس امارہ نے بڑے بڑے مظالم ڈھائے۔ الٰہی مدد کے سوا انسان سے نیکی نہیں ہو سکتی۔

---

[1] عمری ص۵۹۵

(۳) لا استطیع لنفسی جلب منفعۃ — ولا عن النفس فی دفع المضرات

الٰہی عنایت کے بغیر ناممکن ہے کہ میں کوئی فائدہ حاصل کر سکوں یا اپنے آپ کو نقصان سے بچا سکوں۔

(۴) ولیس لی دونہ مولا ید تبرنی — ولا شفیع الیٰ رب البریات

اللہ کے بغیر میرا کوئی منتظم کار نہیں اور نہ کوئی شفیع ہے۔

(۵) الا باذن من الرحمٰن خالقنا — ربی الشفیع کما جاء فی الآیات

دوسرا مصرع بے وزن ہے۔

اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ قرآن میں یونہی درج ہے

(۶) ولست املک شیئا دونہ ابدا — ولا شریک انا فی بعض ذرات

وہ کائنات کا واحد مالک ہے اور میں زمین و آسمان کی لامحدود وسعتوں میں ایک ذرہ تک کا مالک نہیں۔

(۷) ولا ظہیر لہ کیما یعاونہ — کما یکون لارباب الولایات

وہ ایک ایسا شہنشاہ ہے جسے زمینی فرمانرواؤں کی طرح مشیروں و مدبروں کی ضرورت نہیں۔

(دوسرا مصرع بے وزن ہے)

(۸) والفقر لی وصف ذاتی لازم ابدا — کما الغنیٰ ابدا وصف لہ ذاتی

فقر و احتیاج میری فطرت میں مرکوز ہیں وہ ازل سے غنی ہے اور ہمیشہ ہی ایسا رہیگا۔

(۹) وھٰذہ الحال حال الخلق اجمعھم — وکلھم فی غد عبد لہ آت

(دوسرا مصرع بے وزن ہے)

(۱۰) فمن بغیٰ مطلبا من دون خالقہ — فھو الظلوم الجھول المشرک العاتی

جو شخص خالق کائنات کے بغیر کسی اور کو معبود بنالے تو وہ ظالم۔ جاہل مشرک اور فاسق ہے۔

(۱۱) والحمد للہ ملأ الکون اجمعہ — ما کان منہ وما من بعدہ یاتی

آؤ ہم اللہ کی تعریف میں اس قدر گیت گائیں جتنی کائنات میں مخلوق ہے اور ہو گی۔

(۱۲) ثم الصلوٰۃ علی المختار من بَشَرٍ   خیر البریۃ من ماض و من آت

سید عالم خیر البشر محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

ولہ

اِن للہ علینا انعما   یعجز الحصر عن العدلھا

فلہ الحمد علی انعمہ   ولہ الحمد علی الشکر لھا

اللہ کے ہم پہ اس قدر احسانات ہیں کہ ہم ان کے شمار سے قاصر ہیں۔ اس نے ہمیں نعمتیں دے کر تشکر یہ کا موقعہ عطا فرمایا۔ وہ ہر حال میں ہماری تعریف کا مستحق ہے

ایک[1] دفعہ ایک یہودی نے مسئلہ قدر پہ آٹھ اشعار میں آپ کی رائے پوچھی آپ نے قلم اٹھا کر وہیں ۱۸۴ اشعار لکھ ڈالے صاحب الدر[2] اشعار کی تعداد ۱۹۹ بتلاتا ہے۔ یہ اشعار طبقات سبکی وفتاوائے حلبیہ میں موجود ہیں۔ یہودی کا پہلا شعر یہ تھا۔

ایا علماء الدّین ذمّی دینکم   تحیّر دلّوہ باعظم حجۃ

جواب اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

سوالک یا ھذا سوال معاند   مخاصم رب العرش باری البریۃ

علامہ رشید الدین ابو جعفر عمر بن اسمٰعیل بن مسعود الفارقی نے ایک منظوم پہیلی شائع کی تھی۔ تعداد ۱۹ تھی۔ پہلا شعر یہ تھا۔

ما اسم ثلاثی لحروف فثلثہ   مثل لہ والثلث ضعف جمیعہ

اس کا جواب آپ نے ۹۹۔ اشعار میں دیا تھا۔ پہلا شعر یہ ہے۔

یا عالِمًا قد فاق اھل زمانہ   بفنونہ وبیانہ وبدیعہ

---

[1] عمری۔ ص ۶۵۱

[2] الکامل ابن تیمیہ قلمی

آپ کے والد ماجد نے بھی اس پہیلی کا جواب لکھا تھا۔ رشید الدین نے سہرودحل پڑھنے کے بعد ابن تیمیہ کے شان میں سات اور اپنے والد کی تعریف میں تیرہ اشعار لکھے تھے۔

یہ اشعار "البدایۃ والنہایۃ" (قلمی) میں موجود ہیں لیکن کاتبانہ اغلاط نے نصف سے زیادہ اشعار کو ناقابل فہم بنا ڈالا ہے۔ اس لئے یہاں درج نہیں کئے گئے۔ خود میرے پاس انکی ایک نقل موجود ہے۔ ان کے علاوہ آپ کا کوئی اور شعر میری نظر سے نہیں گذرا۔

عبادت

آپؒ کے لیل و نہار کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی میں بسر ہوتا تھا۔ دوران صلوٰۃ آپکا بدن الٰہی خوف سے کانپتا رہتا اور نماز کی تکبیر اس لہجہ میں کہتے کہ سننے والے دہل جاتے۔ نماز پڑھتے وقت آپ کے اعضاء پر رعشہ طاری ہو جاتا۔ رکوع و سجود میں انتہائی خضوع سے کام لیتے۔ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے۔ نماز سے فارغ ہو کر اللہ پر ثنا بھیجتے اور عام طور پر یہ دعا مانگتے۔

"اے اللہ ہمیں غالب کر اور مغلوب نہ بنا"۔

نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے۔ دورانِ ذکر آسمان کی طرف بار بار آنکھیں اٹھاتے اور عموماً سورۂ فاتحہ کا ورد کرتے۔

علامہ کتبی فرماتے ہیں۔[1]

"آپ زہد و اتقا میں کسی سے کم نہ تھے۔ آپ بڑے متقی پرہیزگار، عابد، صائم، ذاکر اور حدودِ الٰہی کے پابند۔ نیکی کے مبلغ اور بدی کے قاتل تھے۔

زین الدین ابو بکر بن شیخ زکی الدین (سنہ ۶۶۶ھ پیدائش) کہتے ہیں۔[2]

زاھد عابد تنزہ فی دنیاہ   عن کل ما بھا من حطام

ترجمہ: آپکی زندگی زہد و عبادت میں بسر ہوئی اور آپ ہوس و دنیا طلبی سے بالکل پاک تھے۔

---

[1] کواکب ص ۱۵۶

[2] فوات الوفیات

[3] الرد الوافر ص ۷۳

لم یکن فی الدنیا لہ من نظیر   فی البرایا فی الفضل والاحکام

ترجمہ: (آپ علم وعمل کے لحاظ سے بے نظیر تھے)۔

شمس الدین الذہبی کہتے ہیں[1]:

شیخ تقی الدین کے ایام شباب پاکیزگی۔ نیک اخلاق والٰہی عبادت میں بسر ہوئے۔ آپ کھانے اور پہننے میں بہت کفایت شعار واعتدال پسند تھے۔"

ابن قیم الجوزی ایک مقام پہ کہتے ہیں[2]:

جب ہم مصائب میں گھر جاتے اور تکالیف سے گھبرا اٹھتے۔ تو ہم آپ کی ملاقات کے لئے جیل میں چلے جاتے۔ آپ کا چہرہ دیکھتے ہی ہمارے تمام آلام کافور ہو جاتے۔ آپ ایک مطمئن دل۔ پُر سکون دماغ اور زبردست ایمان ویقین کے مالک تھے۔ جب ہم آپ کے مخالفین کا ذکر چھیڑتے تو عموماً کہا کرتے:۔

"میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ میرا سینہ میرا باغ ہے۔ قتل شہادت ہے۔ اور جلاوطنی سیر وتفریح ہے۔ اگر یہ قلعہ سونے سے لبریز میرے مخالفین کو مل جائے تو انہیں اتنی خوشی نہیں ہو گی جتنی مجھے ان مصائب میں مل رہی ہے اس لئے کہ جیل میں مجھے فراغت نصیب ہے جسے میں عبادت میں صرف کرتا ہوں"

آپ جیل میں ہمیشہ یہ دعا مانگتے:

"اے اللہ مجھے تیری عبادت وطاعت کے لئے جو فرصت میسر آئی ہے۔ اسے باقی رکھ

آپ فرمایا کرتے تھے:۔

"میں قیدی نہیں۔ قیدی وہ ہے جس کا دل اللہ کی یاد سے خالی ہو اور ہوا وہوس میں جکڑا ہوا ہو۔

علامہ ابن قیم ۷۵۱ھ فرماتے ہیں[3]:۔

---

[1] کواکب ص ۱۴۳۔   [2] ۔ الکامل۔ ابن تیمیہ (قلمی)

[3] الرد۔ ص ۳۶

ابنِ تیمیہ عموماً فرمایا کرتے تھے۔

ان فی الدنیا جنۃ من لم یدخلھا لم یدخل الجنۃ الاٰخرۃ۔

ترجمہ: دنیا میں ایک جنت موجود ہے جو اُس میں داخل نہ ہو سکا۔ وہ جنتِ اُخروی سے بھی محروم رہے گا۔

آپ نماز فجر کے بعد چاشت تک یادِ خدا میں مصروف رہتے اور فرماتے۔

ھٰذہٖ غدوتی ولو لم اتغد ھٰذہٖ الغدوۃ لسقطت قوای۔

ترجمہ: عبادت میرا ناشتہ ہے اگر یہ ناشتہ مجھے نہ ملے تو میرے قویٰ بیکار ہو جائیں۔

آپ جب[1] کوئی خلافِ شرع بات دیکھتے تو فوراً اُس کے مٹانے کی کوشش کرتے آپ ظہر تک افتاء خدمتِ خلق میں مصروف رہتے۔ اس کے بعد نماز ظہر ادا فرماتے اور پھر خدمت عوام میں لگ جاتے۔ آپ کی محفل میں بڑے چھوٹے سب جاتے اور ہر ایک یہی سمجھتا کہ میری عزت سب سے زیادہ کرتے ہیں۔ نماز مغرب کے بعد آپ تدریس میں لگ جاتے۔ نمازِ عشاء کے بعد دیر تک مطالعہ میں مصروف رہتے اور تمام مصروفیات کے دوران استغفار پڑھتے رہتے۔

زُھد و ورع آپ دنیوی مال و متاع سے اس قدر مستغنی[2] تھے کہ تمام مدتِ حیات میں بیع و شراء۔ معاملہ و تجارت۔ مشارکت و مزارعت وغیرہ کی طرف توجہ نہ دی۔ کسی امیر یا سلطان سے کبھی کوئی انعام یا صلہ قبول نہ کیا۔ درہم و دینار کی فراہم آوری سے طبیعت متنفر رہی۔ آپ کی وراثت بقول رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف علم تھا۔

اِنَّ الانبیاء لم یترکوا درھما ولا دینارًا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم۔

ترجمہ: انبیاء کی وراثت درہم و دینار نہیں بلکہ چند باتیں (اوامر و نواہی) ہیں جو یہ آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔

---

[1] کواکب۔ ص ۱۵۶

[2] کواکب ص ۱۵۶

آپ کے احباب بیان کرتے ہیں کہ آپ دنیا سے اس قدر کم رغبت رکھتے تھے۔ اور پھر یہ خصوصیت اس قدر شہرت حاصل کر چکی تھی کہ اگر کسی عامی سے بھی پوچھا جاتا۔

"من ازھد اھل ھذا العصر (زمانے میں سب سے بڑا زاہد کون ہے)۔

تو جواب میں آپ ہی کا نام لیتا

آپ نے عمر بھر شادی نہ کی۔ اسپ و گاو کی طرف راغب نہ ہوئے۔ لباس فاخرہ و دنیوی جاہ و حشم کی خواہش نہ کی۔ شاہی مناصب کے متلاشی نہ ہوئے۔ ورنہ بڑے بڑے امراء و ملوک آپ کے علم و عرفان کے سامنے سر جھکاتے تھے اور اشارہ پاتے ہی جہان بھر کی دولت آپ کے قدموں میں لا ڈالتے۔

شیخ صالح زین الدین علی الواسطی کہتے ہیں۔

"میں ابن تیمیہ کی صحبت میں مدت تک رہا جب صبح کو کھانا آتا تو صرف ایک پتلی سی روٹی ساتھ ہوتی۔ آپ لقمہ بھر کھا لیتے۔ اور باقی میرے لئے چھوڑ دیتے۔ شام کو بھی چند لقمے کھاتے اور باقی میرے حوالے کر دیتے۔ مجھے آپ کی کم خوری پر روحانی اذیت ہوتی۔ میں زیادہ کھانے پہ اصرار کرتا تو آپ پرواہ نہ کرتے۔ آپ کثرت ایثار۔ خدمت خلق۔ زہد و اتقار۔ بلند خلقی و طاعت میں ضرب المثل ہو چکے تھے۔"

عفو

آپ ان بلند حوصلہ انسانوں میں سے تھے کہ کسی سے انتقام لینا خلق عظیم کی توہین خیال کرتے تھے۔

۷۰۹ھ میں جب بادشاہ مصر جاشنگیر کی سرکوبی کے بعد مصر میں لوٹا اور ایک شاہی دربار آراستہ کیا تو ابن تیمیہ سے بعض باغی علماء کے قتل کے متعلق مشورہ کیا۔ ان لوگوں نے آپ کی ایذا میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی لیکن بادشاہ کو آپ نے کیا مشورہ دیا خود ابن تیمیہ کے الفاظ میں سنئے۔

"شاہ غازی! یہ لوگ تمہارے ملک کی زینت اور تمہاری سلطنت کے ستون ہیں ان سے بیشک غلطی ہوئی ہے لیکن اگر تم نے انہیں قتل کر دیا تو پھر ایسے لوگ پیدا نہیں ہوں گے۔"

اسلام میں بغاوت کی سزا قتل ہے۔ یہ علماء اس بھیانک جرم کے مرتکب ہو چکے تھے اگر ابنِ تیمیہ شاہ کی ہاں میں ہاں ملا دیتے تو شرع و قانون کی نگاہ میں ان کا یہ رویہ مستحسن ہوتا لیکن آپ شرع و قانون کی آڑ میں آتشِ انتقام نہیں بجھانا چاہتے تھے اس لئے وہی مشورہ دیا جو آپ کی الوالعزمی و عالی ہمتی کے شایانِ شان تھا۔

او دنیا کے عظیم المرتبت انسانو! تمہاری عظمت و رفعت کا راز یہی ہے تم جذبات کے غلام نہیں بلکہ یہ تمہارے غلام ہیں۔ تم دنیا کو فتح کرتے ہو لیکن فولادی تلوار سے نہیں بلکہ عفو و کرم اور فضل و احسان کی تلوار سے۔ ہم طاقتور پہ رحم کھاتے ہیں اور تم کمزور پہ۔ ہم جابر سے ڈرتے ہیں اور تم عاجز سے۔ ہم امیر کے غلام ہیں اور تم فقیر کے۔ ہم دنیا کے پیچھے بھاگتے ہیں اور دنیا تمہارے پیچھے۔ دنیا ہمیں دھتکارتی ہے اور تم دنیا کو۔ دنیا کا کوئی لالچ۔ کوئی خوف اور کوئی جذبہ تمہیں راہ راست سے نہیں ہٹا سکتا۔ جہان بدل جائے۔ زمان بدل جائے لیکن تم اس صراطِ مستقیم سے جو ربّ السمار نے تمہارے لئے معین کیا ہے اپنج بھر نہیں ہٹتے۔ جب آپ قلعہ میں آخری دفعہ بیمار پڑتے ہیں اور شمس الدین وزیر اپنے گناہوں کی معافی مانگنے جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں "میں آپ کو اور باقی تمام مخالفین کو معاف کرتا ہوں۔ بادشاہ نے کسی بدنیتی سے مجھے قید نہیں کیا بلکہ وہ مجبور تھا۔ میں اسے بھی معاف کرتا ہوں۔"

قاضی زین الدین بن مخلوف المالکی کہا کرتا تھا۔

"ہم نے ابنِ تیمیہ کی ایذا میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا لیکن جب اُسے موقعہ ملا تو اُس نے ہمیں معاف کر دیا۔"

رجب ۷۱۱ھ میں چند غنڈوں نے آپ پر مصر میں حملہ کر دیا جب یہ خبر پھیلی تو فرقہ حسینیہ اور دیگر پیادوں اور سواروں کا ایک ہجوم آپ کے ہاں انتقام کی اجازت لینے آیا۔ یہ لوگ غیض و غضب سے بھڑک رہے تھے اور مجرموں کو سزا دینے کے لئے بے تاب تھے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ "میں" اجازت دینے کے لئے تیار نہیں۔" ہجوم کے اصرار کے جواب میں کہا "حملہ آوروں نے کس کا قصور کیا ہے، میرا تمہارا یا خدا کا؟ اگر میرا قصور کیا ہے تو میں انہیں معاف کرتا ہوں۔ اگر تمہارا کچھ بگاڑا ہے اور تم میری سننے کے لئے تیار نہیں تو جاؤ جو جی میں آئے

کرو اور اگر اللہ کا گناہ کیا ہے تو اللہ خود ان سے سمجھ لے گا ہم تم کیوں دخل دیں۔"

اگر ابن تیمیہ جبل کسرواں کے تند خو اور موت سے کھیلنے والے قبائل کی بستیاں اجاڑ سکتے تھے۔ اگر تاتاریوں کے دانت کھٹے کر سکتے تھے تو وہ ان چند حملہ آوروں کو بھی سزا دے سکتے تھے لیکن آپ تاریخ میں عفو و کرم کے ایک لازوال باب کا اضافہ کرنا چاہتے تھے اس لیے معاف کر دیا۔

ایثار و کرم

آپ کے پاس جو کچھ ہوتا۔ حاجت مندوں کو دے ڈالتے۔ اگر اور کچھ نہ ہوتا تو کپڑے اتار کر دے دیتے۔ اپنے کھانے سے ہمیشہ ایک دو روٹیاں فقراء و سائلین کے لئے بچا لیتے۔

حافظ بن فضل اللہ العمریؒ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس سیم و زر کافی مقدار میں آتا جسے آپ فوراً غرباء میں تقسیم کر دیتے اور ایک درہم تک باقی نہ رہنے پاتا۔

حکایات

(۱) ایک دفعہ ایک غریب آدمی آپ کے پاس آیا۔ سوال سے پہلے آپ نے اپنا عمامہ آدھا چیر کر اُسے دے دیا اور نصف اپنے پاس رکھ لیا۔

(۲) اسی طرح ایک دفعہ ایک سائل نے آپ سے کچھ مانگا۔ آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ اپنا ایک کپڑا اتار کر دے دیا۔

(۳) ایک آدمی نے آپ سے کتاب کی خیرات مانگی۔ آپ نے تمام کتب اس کے سامنے رکھ دیں اور کہا پسند کر لو۔ اس نے ایک خوب صورت اور قیمتی قرآن شریف اٹھا لیا اور چلتا بنا۔ آپ کے احباب نے آپ کو بعد میں ملامت کی تو کہنے لگے۔

" دعه فلينتفع به "

ترجمہ: سائل کو قرآن سے فائدہ اٹھانے دو۔

آپ ایسے آدمی کو بُرا سمجھتے جو دوسروں کو کتب عاریتاً نہ دیتا۔ آپ کا مشہور فقرہ تھا۔

لہ کواکب ص ۱۵۸

"مایـنبغی ان یمنع العلم ممن یطلبہ"

ترجمہ: علم کو متلاشی علم سے چھپانا نہیں چاہیئے۔

لباس آپ نہ تو فاخرہ لباس پہنتے اور نہ علماء کے جُبے اور عمامے پسند کرتے تھے۔ آپ کا لباس بالکل عوام جیسا ہوتا۔ آپ کسی رنگ و وضع کی طرف مائل نہ تھے جو مِل جاتا زیبِ تن فرما لیتے۔

آپ کو بعض اوقات امراء و سلاطین کے ہاں ملاقات کے لئے جانا پڑتا تھا لیکن لباس میں وہی سادگی ہوتی خصوصًا عمامہ کے متعلق آپ کافی لاپرواہ واقع ہوئے تھے اُلٹا سیدھا جیسے جی میں آتا۔ سر پہ لپیٹ لیتے۔

بسا اوقات آپ کے کپڑے بہت میلے ہو جاتے اور جب تک تبدیل لباس کے لئے کہا نہ جاتا۔ مصروفیات میں آپ کو احساس تک نہ ہوتا۔ آپ نے کبھی کہہ کر کھانا نہ منگوایا آ گیا تو کھا لیا۔ ورنہ مطالعہ میں مصروف رہے۔ بسا اوقات کھانا لایا جاتا اور آپ مسائل علمیہ میں اس قدر مستغرق ہوتے کہ اُس طرف توجہ نہ کر سکتے اور پہروں کھانا پڑا رہتا۔

تواضع آپ چھوٹے بڑے سب کے ساتھ انکسار سے پیش آتے۔ ضرورت سے زیادہ ملاقاتیوں سے گفتگو کرتے تاکہ وہ استغناء کی شکایت نہ کریں بسا اوقات زائرین کی خود خدمت کرتے۔ سائلینِ علم سے تنگ نہ آتے بلکہ نہایت حِلم و توجہ سے اُنکی مشکلات حل کرتے۔ خطاکار کی غلطی نرمی سے واضح کرتے اور اقارب و اباعد کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے۔

آپ جنازوں میں شامل ہونے کے لئے بیتاب رہتے اگر کوئی جنازہ رہ جاتا تو آپ اظہارِ افسوس کرتے۔

آپ کثرتِ ایثار، حسنِ اخلاق، طاعت و عبادت، عفو و کرم، مساعدت غرباء اور حمایت حق میں ضرب المثل بن گئے تھے

---

۵ کواکب۔ ص۔ ۱۵۸۔

شجاعت آپ جابر سلاطین کے سامنے نہایت جرأت سے گفتگو کرتے شاہِ ناصر کے سامنے وزیرِ سلطنت کے خلاف مرضی آپ نے اہل ذمہ کی قیود کے متعلق اس قدر جرأت سے بحث کی کہ بادشاہ آپ کی مرضی کے سامنے جھک گیا اور اُمراء میں سے کسی کو بات تک کرنے کی ہمت نہ پڑی۔

آپ کی شجاعت وجرأت کی داستانوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے ہاں ایک آدمی قطلو بیگ کے ظلم وستم کی شکایت لے کر آیا۔ آپ اس کے پاس گئے اس نے استہزاءً کہا "مَیں خود آپ کے ہاں آنے کا ارادہ رکھتا تھا کیونکہ آپ بڑے بھاری عالم وزاہد ہیں۔ آپ نے خواہ مخواہ تکلیف فرمائی"

آپ نے کہا: فرعون تم سے بُرا تھا اور موسیٰ علیہ السّلام مجھ سے 'بایں ہمہ موسیٰ[۲] ہر روز تین دفعہ پیامِ ایمان لے کر فرعون کے ہاں جایا کرتا تھا"

• جب غازان جیوش تاتار[۳] کے ساتھ شام پہ حملہ آور ہوا تو ابنِ تیمیہ نے نہایت جرأت کے ساتھ اس سے گفتگو کی۔ یہاں تک کہ بقول صاحب درر وہ آپ کے قتل پہ تُل گیا۔

ابن فضل[۴] اللہ کہتے ہیں کہ جب غازانِ دمشق پہ حملہ آور ہوا تو ابنِ تیمیہ چند اعیانِ دمشق کے ساتھ غازان کے پاس گئے۔ غازان ایک قاہر وجابر لشکر کے وسط میں تن کر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے چہرہ سے جلال ٹپکتا تھا۔ آپ نے اُس کے جاہ وجلال کی ذرّہ بھر پروا نہ کی اور نہایت جرأت سے اس کے مظالم کی مذمّت کی۔ آپ کی تقریر اس قدر مؤثر تھی کہ غازان جیسے گردن فراز کا سر جُھک گیا۔ اس نے دعا کی التماس کی۔ آپ نے دعا فرمائی اور وہ آمین آمین کہتا گیا۔

علامہ ذہبیؒ کہتے ہیں:۔

"آپ شجاعت وکرم میں لاثانی تھے اور کلمۃ الحق کہنے میں نہایت بے باک۔"

---

۱ دُرر (ابنِ تیمیہ)۔ ۲ کواکب ص۔ ۱۶۲

۳ البدایہ ج۔۱۴ ص ۷ و کواکب ص ۱۶۲۔

۴ دُرر کامنہ (ابنِ تیمیہ) ا۔

کمال الدین ابوحفص عمر بن الیاس بن یونس المراغی[1] (۷۲۹ھ۔ زندہ) کہتے ہیں۔

"ھو رجل کبیر القدر مجتھد شجاع۔"

ترجمہ۔ آپ ایک عظیم المرتبت انسان، مجتہد اور شجاع تھے۔

حافظ ابوالقاسم عمر بن الحسن الحلبی کہتے ہیں۔

وکان ذا ورع و زھد و سخا و شجاعۃ وقناعۃ۔

ترجمہ، آپ زہد و ورع، سخا و شجاعت و قناعت کے مالک تھے۔

کرامات آپ اللہ کی عبادت میں شب و روز مشغول رہتے اور بسا اوقات آپ کی توجہ سے مشکلات حل ہو جاتیں۔

ابوالعباس احمد بن علاؤ الدین[2] بیان کرتے ہیں کہ علی بن عبدالکریم بغدادی کی لڑکی کو مرض رمد (فتور نظر) لاحق ہوگیا۔ اسے خیال آیا کہ ابنِ تیمیہ کی خاک تربت لڑکی کی آنکھوں میں ڈالے چنانچہ وہ قبر پہ گیا۔ وہاں ایک اور بغدادی اسی مقصد کے لئے خاک جمع کر رہا تھا۔ علی ابن عبدالکریم کی عقیدت اور بڑھ گئی۔ اس نے خاک لی۔ بچّی کی آنکھوں میں ڈالی۔ اور لڑکی دوسری صبح کو تندرست ہو کر اٹھی۔

قاضی القضاۃ عبدالرحمان الحنفی النفہنی[3] ابنِ قیم کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ لوگ ابنِ تیمیہ کو مصروع (مرگی زدہ) کے پاس لے جاتے۔ آپ کچھ مصروع کے کان میں پڑھ کر پھونکتے اور وہ اچھا ہو جاتا۔

شیخ برہان الدین محدثِ حلب[4] جب ۷۶۹ھ میں دمشق گئے تو وہاں علمائے شافعیہ مثلاً ابنِ جابی اور ابن مکتوم کے ہاں فروکش ہوئے۔ ان لوگوں نے اثنائے گفتگو میں ابنِ تیمیہ کی بے حد تعریف کی اور آپ کی کرامات پہ بھی روشنی ڈالی۔

---

[1] الرد الوافر ص۔ ۶۳۔

[2] الرد الوافر ص۔ ۳۸۔

[3] الرد الوافر ص ۸۲۔

[4] درر کامنہ (ابن تیمیہ)

شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ میں ابن تیمیہ کے جنازہ میں شامل ہوا تھا۔ میرا جوتا ہجوم میں پاؤں سے نکل گیا جسے میں اٹھا نہ سکا۔ واپسی پر یہ مجھے مل گیا۔ میں اسے آپ کی کرامت سمجھتا ہوں۔[1]

عبدالہادی بن قدامہؒ کہتے ہیں کہ جنگ شقحب میں آپ کی دعائیں مقبول ہوئیں اور آپ سے کئی کرامات ظہور میں آئیں۔ ایک زبردست لشکر کا شکست کھانا آپ کی کرامات کا نتیجہ تھا۔[2]

ابو حفص عمرؒ و لکھتے ہیں کہ بعض علماء سے بعض مسائل میں مجھے اختلاف ہو گیا۔ ہم آپ کے ہاں محاکمہ کے لئے گئے۔ آپ نے ہمارے سوال سے پہلے ہی بعض مسائل کی وضاحت شروع کر دی اور رفتہ رفتہ ان مسائل تک جا پہنچے جن کے لئے ہم آپ کے ہاں گئے تھے۔ ہم آپ کی روشن ضمیری پہ حیران رہ گئے۔ اس سے پہلے بھی آپ نے میرے بعض خدشات کو بلا استفسار حل کر دیا تھا۔[3]

شیخ صالح المقری احمد (البدایہ میں شیخ صالح احمد بن الحریری درج ہے) لکھتے ہیں۔ ایک دفعہ میں دمشق گیا۔ شہر میں میرا کوئی واقف نہ تھا۔ میں نہایت پریشانی کی حالت میں پھر رہا تھا کہ ابن تیمیہ میری طرف جلدی جلدی آئے۔ مجھے دراہم کی ایک تھیلی دے کر کہنے لگے "اسے خرچ کرو۔ اللہ تمہاری مدد کریگا" میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ صاحب کون تھے۔ کہا "یہ ابن تیمیہ ہیں اور آج سے پہلے یہ اس طرف کبھی نہیں آئے تھے۔ اس کے بعد میں جب تک وہاں رہا۔ کوئی تکلیف نہ ہوئی اور اللہ نے مجھ پہ رزق کے کئی دروازے کھول دیئے۔

شیخ مقری تقی الدین عبداللہ فرماتے ہیں[4] کہ جب ابن تیمیہ مصر میں اقامت گزیں

---

[1] فوات الوفیات۔

[2] کواکب ص ۱۵۹

[3] کواکب ص ۱۵۹

[4] کواکب ص ۱۶۰

تھے تو مجھے بھی مصر جانے کا اتفاق ہوا۔ میں بیماری کی حالت میں رات کو شہر میں داخل ہوا۔ ایک جگہ قیام پذیر ہوا۔ کچھ وقفہ کے بعد کسی نے میرا نام و کنیت لے کر آواز دی۔ میں نے اندر بلا لیا۔ معلوم ہوا کہ یہ ابنِ تیمیہ کے آدمی ہیں۔ کہا "تمہیں میرے آنے کی اطلاع کیسے ہوں؟" کہا: "ابنِ تیمیہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تمہیں ان کے ہاں لے چلیں۔ انہیں کس نے خبر دی؟" "یہ معلوم نہیں۔ ہمارے سامنے کوئی نہیں آیا"

اسی طرح میں ایک دفعہ دمشق میں شدتِ بخار سے بے ہوش ہو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو آپ کو اپنے سرہانے پایا۔ آپ نے میرے لئے دعائے شفا کی اور تھوڑی سی دیر کے بعد بخار ٹوٹ گیا۔

شیخ موصوف کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک شعر کہا جس سے رفض کی بُو آتی تھی چنانچہ اس کا چالان کر دیا گیا اور اسے سزا ہو گئی۔ اسے شبہ ہوا کہ اس سزا کا باعث ابنِ تیمیہ ہیں اس نے انتقامی رنگ میں آپ کی ہجو لکھی اور وہ ہجو مہینہ بھر میرے پاس رہی۔ اس اثنا میں مجھ پہ بے شمار مصیبتیں ٹوٹیں۔ سوچتے سوچتے خیال آیا کہ کہیں یہ شعر ہی باعثِ مصائب نہ ہوں چنانچہ وہ شعر جلا ڈالے اور اس کے بعد مصائب کا خاتمہ ہو گیا۔[1]

شیخ عماد الدین المقری المطرز کہتے ہیں[2]

"ایک دفعہ میں آپ کے ہاں گیا۔ میرے پاس کچھ نان و نفقہ بھی تھا۔ جب کچھ دن بعد میرا خرچ ختم ہو گیا اور میں نے آپ کی مجلس سے کنارہ کش ہونا چاہا تو آپ نے مجھے بٹھا لیا اور چند درہم دے کر کہنے لگے یہ لو تمہارا خرچ"۔ میں آپ کی روشن ضمیری پہ حیران ہو گیا۔

جب منگولوں نے دمشق پہ حملہ کیا اور لوگ سخت گھبرائے تو آپ کے ہاں اعیانِ شہر کی ایک جماعت دُعا کے لئے آئی۔ آپ نے دُعا کے بعد فرمایا: "تین یوم کے بعد خدا تمہاری مدد کرے گا

---

[1] کواکب ص ۱۶۰

[2] کواکب ص ۱۶۰

اور تم تاتاریوں کے سر اوپر نیچے کٹے ہوئے پاؤ گے۔" راوی کہتا ہے: "اللہ کی قسم تین روز کے بعد میدانِ دمشق میں تاتاریوں کے سر ایک دوسرے کے اوپر کٹے ہوئے پائے گئے۔"

آپ ہر مریض کی عیادت کو جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک نوجوان دمشق میں بیمار ہو گیا آپ ہر روز اس کی عیادت کو جاتے۔ ایک روز آپ نے اس کے لئے دعا کی، وہ شفایاب ہو گیا تو آپ نے اس سے فرمایا۔

"اللہ سے عہد کرو کہ تم بہت جلد اپنے وطن کو لوٹ جاؤ گے کیا یہ مناسب ہے کہ تم اپنے بچوں اور بیوی کو اس کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ آؤ۔"

وہ نوجوان کہتا ہے۔ میں نے فوراً توبہ کی اور آپ کے ہاتھ چوم لئے۔ میں حقیقتاً اپنے اہل و عیال کو بلا نفقہ پیچھے چھوڑ آیا تھا اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ میری کیفیت سے قطعاً کوئی باشندۂ دمشق آگاہ نہ تھا۔ حیرت ہے کہ آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہو گیا۔"

ایک عالم ایک نیک انسان کو قتل کرنے کے لئے مصر کو چل دیا۔[۱] جب آپ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو فرمانے لگے وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہو گا اور مصر تک زندہ نہیں پہنچیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابھی مصر اور اس میں کچھ مسافت باقی تھی کہ موت کا آہنی پنجہ اسکی رگِ جان تک جا پہنچا۔

حافظ ابن قدامہ ایک عجیب حکایت نقل کرتے ہیں۔[۲]

"جب دمشق میں آپ نے مسئلہ شد الرحال پر فتویٰ صادر فرمایا تو علماء کی ایک جماعت نے آپ کے خلاف مشورہ کیا۔ ایک نے کہا۔ جلا وطن کر دیا جائے۔ دوسرے نے کہا آپ کی زبان کاٹ دی جائے۔ تیسرے نے کہا۔ آپ کو کوڑوں کی سزا دی جائے۔ چوتھے نے سزائے حبس تجویز کی۔ اتفاقاً پہلا جلا وطن ہو گیا۔ دوسرے کی زبان کٹ گئی۔ تیسرے کو کوڑوں سے پیٹا گیا اور چوتھا جیل میں ڈال دیا گیا۔ آپ کے دیگر بدخواہ بھی اسی طرح مختلف مصائب میں مبتلا ہوئے۔

---

[۱] [۲] [۳] کواکب ص ۱۶۰

آپ کے متعلق لوگوں نے متعدد خواب دیکھے جمال الدین ابوالمظفر یوسف بن محمد بن مسعود بن محمد السرمری (۷۷۶ھ) نے چھ خوابوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک یہ ہے معبداللہ جس کے والد کا نام معلوم نہیں۔ بیان کرتا ہے "ایک رات میں خواب میں گھر سے نکلا۔ کسی نے مجھے کہا کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں نانبائی کی دکان پہ اترے ہوئے ہیں۔ میں بھاگتا ہوا وہاں پہنچا سلام دیا۔ لیکن مخاطب کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ آپ نے خود ہی فرمایا۔

"کیا چاہتے ہو" میں نے کہا۔" یا حضرت آج دنیا میں ہر طرف اختلاف و تضاد کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ سچائی کا معیار کیا ہے؟ آپ فرمانے لگے:" ابن تیمیہ صراط مستقیم پہ ہے اور آج میں یہی فیصلہ سنانے آیا ہوں"

اس کے بعد رسول اللہ نے کچھ اور فرمایا جس کا صرف آخری حصہ مجھے یاد رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے۔

"ایقدرون ان ینکروا معراجی ۔ فواللہ نفسی بیدہ لقد اسوی بی

من سماء الی سماء و رایت ربی"

ترجمہ: کیا یہ لوگ معراج کا انکار کرنا چاہتے ہیں قسم ہے اس رب کی جس کے ہاتھ میں میری روح ہے کہ میں آسمانوں کی سیر کرتے ہوئے درگاہ قدس تک پہنچا اور میں نے اللہ کی زیارت کی"

جہاد

آپ نہ صرف قلم کے دھنی تھے بلکہ آپ نے بارہا شمشیر کے جوہر بھی دکھلائے ۶۹۹ھ میں اغازان کے حملہ کو روکا۔ ۷۰۲ھ کو جنگ شقحب میں شریک ہوئے اور ۷۰۴ھ کے آخر میں کسروانیوں سے جہاد کیا ہر سہ جنگوں کی تفصیل یہ ہے۔

حملہ تاتار

۶۹۹ھ میں جب تاتاریوں[2] دمشق پہ حملہ آور ہوئے اور عساکر مصر بھاگ گئے تو

---

[1] الرد ص ۷۲

[2] اس حملے کی وجہ یہ ہوئی کہ ۶۹۸ھ کے اواخر میں حلب کے نائب السلطنت سیف الدین

(بقیہ بر صفحہ ۱۴۲)

لوگوں میں بڑی سراسیمگی پھیل گئی۔ آپ سوموار ۱۱ جمادی الاولیٰ ۶۹۹ھ کو قاہرہ میں پہنچے۔ سیدھے دربار شاہی میں چلے گئے۔ جہاں امرار سلطنت بھی موجود تھے۔ آپ نے انہیں فرار پر ملامت کی (البدایہ ج-۱۴ ص - ۱۵) قیام قاہرہ کے دوران علامہ ابن دقیق العید آپ سے ملنے گئے۔ ملاقات کے بعد آپ سے کسی نے ابن تیمیہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔ ھو رجل یحب الکلام وانا احب السکوت (آپ شائق گفتگو ہیں اور میں سکوت پسند ہوں)

لیکن ذھبی کہتے ہیں:۔

"ابن تیمیہ نے خود مجھے کہا تھا کہ ابن دقیق نے اٹھتے وقت کہا:"

"ماکنت اظن ان اللہ بقی یخلق مثلک

(مجھے یہ خیال نہ تھا کہ اللہ آپ جیسا انسان پیدا کرے گا)

کھلی چھٹی آپ نے حملۂ تاتار کے متعلق ایک کھلی چھٹی مسلمانانِ مصر و شام کو لکھی جس کا ملخص یہ ہے:۔

(بقیہ صفحہ ۱۰۳) بلبان الطباخی نے ماردین کو فتح کرنے کے لئے ایک لشکر بھیج دیا۔ یہ شہر اس وقت غازان تاتاری کے ایک باجگذار سلطان نجم الدین غازی بن قرا ارسلان (۱۲،۷ھ) کی قلمرو میں شامل تھا۔ اس لشکر نے وہاں بہت خونریزی کی۔ جس پہ غازان بھڑک اٹھا۔ اس وقت غازان آذربیجان میں تھا۔ وہاں سے شام کی طرف بڑھا۔ حمص کے قریب ۲۷ ربیع الاول ۶۹۹ھ کو پہلا مقابلہ ہوا۔ اس میں مصریوں کو شکست دی۔ ۲ ربیع الثانی ۶۹۹ھ کو ابن تیمیہ چند علماء کے ہمراہ غازان سے ملے اور پروانہ امن لے آئے۔ ۲۲ ربیع الآخر ۷۰۰ھ میں تاتاری دوبارہ حملہ آور ہوئے لیکن بارش اور ژالہ باری کی وجہ سے ۱۲ جمادی الاولیٰ کو واپس چلے گئے۔ ۷۰۲ھ میں سہ بارہ آئے اور دمشق کے قریب ایک مقام "شقحب" میں انہیں شکست ہوئی۔ اس جنگ میں مجاہدین کے ایک لشکر کی قیادت ابن تیمیہ کر رہے تھے۔

(عمری۔ ص۔ ۱۲۵)

۱۵ الکاملی، ابن تیمیہ (قلمی)

بخدمت مسلمانانِ عالم   السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ یہ حادثۂ تاتار عہد رسول کے بعض واقعات کی طرح ہے گو اُن واقعات میں صرف رسول کو مخاطب کیا گیا تھا لیکن اس میں تمام مسلمانان عالم شامل تھے۔

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاُولی الالباب (رعد - ۱۱۱)

(سلف کی تاریخ میں عقلمندوں کے لئے سبق ہے)

جنگ بدر کے متعلق ارشاد ہے۔

لقد کان لکم آیۃ فی فئتین التقتا ؕ (عمران - ۱۲)

(افواج حق و باطل کا تصادم تمہارے لئے عبرت آموز تھا)

اسی طرح قصۂ فرعون کے بعد فرمایا۔

"فاخذہ اللہ نکال الآخرۃ والاولیٰ اِنّ فی ذٰلک لعبرۃ لمن یخشیٰ (نازعات - ۲۵)

ترجمہ: فرعون دنیا و آخرت ہر دو میں ذلیل ہو گیا۔ اس کی ہلاکت میں ایک متقی کے لئے عبرت ہے)

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ متقدمین کے قصے ہماری عبرت کے لئے دہرائے گئے ہیں اور ان قصوں میں اللہ نے اپنا ایک اٹل آئین بیان کیا ہے کہ جو کچھ اس وقت ان کفار سے کیا گیا تھا وہی بعد کے کفار سے ہو گا۔

اِس وقت اسلام گرفتارِ مصیبت ہے۔ اگر اس سے بچنے کی تدابیر نہ سوچی گئیں تو اسلام کی باقیماندہ طاقت مٹ جائے گی اور مسلمان ذلت کا شکار ہو جائیں گے۔ آج خام اعتقاد لوگ مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا خدا اپنے وعدوں سمیت کہاں غائب ہو گیا ہے؟ یہ فتنہ اس قدر بھیانک ہے کہ حکیم حیران ہے۔ مذہب پرست پہ رعشہ طاری ہو چکا ہے اور ہر طرف نفسی نفسی کا غلغلہ بلند ہے۔

اس وقت مسلمان تین گروہوں میں منقسم ہو چکے ہیں۔ ایک وہ جو حمایت دین کے لئے جہاد کر رہے ہیں۔ دوم وہ جو معذور ہیں اور سوم وہ جنہیں اغراض نے اندھا بنا رکھا ہے اور جن کے دل درد سے خالی ہیں۔ یہ حادثۂ تاتار ایک امتحان ہے جس سے حق پرست منافقوں سے علیحدہ ہو جائیں گے

دنیا و عقبیٰ میں اجر پائیں گے اور منافقین کا واسطہ اللہ سے ہے۔ وہ چاہے تو معاف کر دے۔ اس کا رحم اس کے غضب سے وسیع تر ہے۔"

حملۂ غازان پر تحریر

آپ نے اسی سال ایک طویل تحریر حملہ غازان پہ لکھی۔ فرماتے ہیں "میں نے یہ تحریر اس وقت شروع کی جب تاتاری چلے گئے تھے اور صرف ایک گروہ باقی رہ گیا تھا۔ ہم ان کے خلاف جہاد میں مصروف ہو گئے۔ جب وہ بھی پسپا ہو گئے تو میں نے اس تحریر کو مکمل کر ڈالا۔"

یہ تحریر تقریباً بیس صفحات پہ مشتمل ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے۔

"اللہ نے رسول اللہ کو اعلاء کلمۃ الحق کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ نے ابتدا میں جہاد کو مستحسن اور بعد میں فرض قرار دے دیا۔ آپ مدینہ میں صرف دس سال رہے اور بیس سے کچھ اوپر جنگیں لڑیں جن میں پہلی غزوۂ بدر اور آخری غزوۂ تبوک تھی۔ مسئلہ جہاد پہ پہلی سورۂ انفال ہے اور آخری براۃ جنہیں قرآن شریف میں اس طرح جمع کر دیا گیا ہے کہ بسم اللہ تک درمیان میں حائل نہیں۔ بدر میں قلت تعداد و سامان کے باوجود مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ جب احد میں وہی مسلمان دنیا طلبی کی وجہ سے احکام رسول سے منحرف ہو گئے تو انہیں شکست ہوئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دانت شہید ہو گیا۔ یہی حال گذشتہ سال مسلمانوں کا تھا کہ انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے سخت شکست ہوئی۔ درحقیقت بعض وہ مسلمان جو تاتاریوں کے خلاف گذشتہ سال لڑے تھے بہت بد نیت تھے۔ انہیں اگر فتح حاصل ہو جاتی تو ان کا فتنہ فتنۂ تاتار سے زیادہ پریشان کن ہوتا۔

جس طرح احد کی شکست دراصل رحمت تھی اسی طرح یہ شکست بھی ایک نعمت ہے حدیث میں وارد ہے۔

لا یقضی اللہ للمؤمنین قضاءً الا کان خیراً لہٗ۔

ترجمہ: اللہ کا ہر فیصلہ مسلم کے لئے باعث خیر ہوتا ہے)

اگر مسلم کو کامرانی نصیب ہو تو وہ شکر ادا کرتا ہے۔ اگر ناکام ہو تو صبر کرتا ہے اور ہر دو صورتوں میں اجر کا مستحق ہے

غزوۂ اُحد کے بعد جنگ خندق کے موقع پر جس طرح کفار جنگ کئے بغیر بھاگ گئے تھے اسی طرح اس سال تاتاری لڑے بغیر پسپا ہو گئے۔

غزوۂ خندق کی طرح اس وقت بھی لوگ تین جماعتوں میں منقسم ہو گئے ہیں مسلم، کفار اور منافقین نفاق کی کئی قسمیں ہیں مثلاً (۱) عبداللہ بن اُبی کا نفاق (۲) بعض احکام دین کو ضروری اور بعض کو غیر ضروری خیال کرنا (۳) اللہ کی راہ میں مالی قربانی سے دریغ کرنا (۴) نماز و عبادت میں کاہلی سے کام لینا۔ (۵) جھوٹ بولنا (۶) خیانت کرنا (۷) وعدہ شکنی۔

اگر کسی آدمی میں یہ تمام علامات جمع ہو جائیں تو وہ بڑا منافق ہوتا ہے ورنہ چھوٹا نفاق اسلام کے لئے اس قدر خطرناک ہے کہ اللہ نے سورۂ بقرہ کے آغاز میں منافق کے مفاسد پر ۱۳۔ آیات میں روشنی ڈالی اور مسلمانوں کا ذکر صرف چار آیات میں کیا ہے۔

قرآن حکیم میں ان لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے جو جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت مانگتے تھے

لا یستأذنك الذین یومنون باللہ والیوم الاخرۃ ان یجاھدوا۔ (توبہ ۴۰-۱)

ترجمہ: مومن تم سے ترکِ جہاد کی اجازت ہرگز نہ مانگیں)

تو کیا حشر ہوگا ان لوگوں کا جو اجازت کے بغیر تارکِ جہاد بنے۔ جہاد اعمال میں سب سے بلند عمل ہے اور ہمیشہ مجاہدین ہی زمین کے وارث رہیں گے۔

فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم (مائدہ۔۵۴)

ترجمہ: تو اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو اللہ کے محبوب ہوں، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور ملامت سے نہیں گھبرائیں گے)

مجاہدین کا گروہ ہدایت یافتہ اور حق پرست ہے۔ احمد بن حنبل (۲۴۰ھ) اور عبداللہ بن مبارک مروزی (۱۸۱ھ) فرماتے تھے۔ جب تم کسی چیز میں اختلاف کرو اور کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکو تو مجاہدین کی اقتدار کرو۔ اسلئے کہ وہ صراطِ مستقیم پر ہیں۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (عنکبوت۔ ۶۹)

ترجمہ: ہم مجاہدین کو اپنی راہوں پر ڈال دیتے ہیں)

سال خندق میں مشرکین و کفار بڑی ٹھاٹھ سے آئے تھے۔ قریش کے ساتھ نجد و یمامہ کے کئی قبائل بھی مل گئے تھے۔ ان لوگوں نے مدینہ کو تقریباً بیس یوم تک گھیرے رکھا۔ اس کے بعد وہ لوگ آندھیوں طوفانوں اور دیگر حوادثِ سماویہ کی وجہ سے اس قدر پریشان ہوئے کہ محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔

یا ایھا الذین آمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیھم ریحًا وجنودًا لم تروھا (احزاب۔ ۹)

ترجمہ: مومنو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو۔ جب تمہیں جنود کفار نے گھیر لیا تھا۔ ہم نے ان پہ تیز ہوائیں چلائیں اور ایسی فوجیں بھیجیں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے۔)

ایسے ہی واقعات اس سال حملۂ مغول کے وقت پیش آئے۔ مغول نے ۷ ربیع الآخر کو فرات عبور کیا تھا اور ۱۱ یا بارہ جمادی الاولیٰ کو پسپا ہو گئے۔ یہ محاصرہ تقریباً ۲۲ یوم تک رہا جس طرح سال خندق میں طوفان و صرصر مسلمانوں کی مدد کو آئے تھے۔ اسی طرح اس سال بھی معمول سے زیادہ بارشیں برسیں۔ سخت ٹھنڈی ہوائیں چلیں اور تاتاری فاقہ و سرما کی تاب نہ لا کر چلتے بنے۔

جس طرح احزاب ہر طرف سے حملہ آور ہوئے تھے اسی طرح مغول بھی شام کی بلند زمینوں اور شمالی فرات سے ہم پہ ٹوٹ پڑے جس طرح اس وقت منافقین کہتے تھے۔

ما وعدنا اللہ ورسولہ الا غرورًا۔ (احزاب۔ ۱۲)

ترجمہ: خدا و رسولؐ کے وعدے فریب تھے)

اسی طرح اسوقت بھی ایک جماعت مسلمانوں کی تباہی کا یقین کر چکی تھی اور مواعیدِ قرآن کو ایک سراب سے زیادہ وقعت نہ دیتی تھی۔

جس طرح کہ احزاب میں تفرقہ پڑ گیا تھا۔ اسی طرح عساکرِ مغول میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا ایک گروہ واپس چلا گیا اور کچھ باقی رہ گئے جو تعداد میں مسلمانوں سے زیادہ تھے لیکن مسلمانوں نے انہیں شکست دی اور وہ فرار پہ مجبور ہو گئے۔

بعض مسلمان تاتاریوں سے مل گئے تھے۔ وہ خود انہی کے ہاتھوں قتل و ذلیل ہوئے۔

اس فتح سے دلوں میں ایمان و یقین کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ مواعیدِ ربانی پہ اعتماد بحال ہو گیا ہے اور عساکرِ منصورہ نے دین کی شان رکھ لی ہے۔ (البدایہ۔ قلمی)

حملۂ تاتار کے متعلق شاہ کو خط

آپ نے حملۂ تاتار کے سلسلہ میں ایک خط سلطان ناصر کو بھی لکھا تھا جس کا ماحصل یہ ہے

بخدمت فرمانروائے مصر و شام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ۔

ترجمہ: اللہ نے اپنے رسول کو دینِ حق کی اشاعت کے لئے بھیجا اور وہ تمام ادیان پہ غالب ہو کر رہے گا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم۔ الخ (الصف ۱۰)

ترجمہ: اے مسلمانو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی خبر دوں جو تمہیں عذاب الیم سے نجات دلائے)

یا ایھا الذین اٰمنو مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض۔

(توبہ ۳۸)

ترجمہ: اے مسلمانو! یہ کیا ہے کہ جب تمہیں اللہ کی راہ میں سرفروشی کے لئے کہا جاتا ہے تو تم اپنی جگہ پہ جمے رہتے ہو)

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ اللہ سبحانہ نے ملتِ بیضا کی نصرت کا وعدہ قیامت تک فرمایا ہے اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا تھا کہ امتِ اسلامیہ میں ہمیشہ ایک گروہ منصور حقانیت کا علمبردار بن کر باقی رہے گا جسے اعدا کی سازشیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔ احادیث سے مستنبط ہوتا ہے کہ وہ گروہ ارضِ شام اور گرد و نواح میں ہوگا مخبرِ صادق نے ہمیں یہ بھی بتلایا تھا کہ قیامت سے پہلے ترکوں کی ایک قوم جن کی آنکھیں چھوٹی۔ ناک چپٹے اور چہرے گھناؤنے ہوں گے مسلمانوں سے جنگ کرے گی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مختلف اقوام سے جنگ کرنے کے بعد امت کا مقابلہ دجال سے ہوگا جو اصفہان

سے عساکر یہود کے ساتھ آئے گا۔ اس وقت عیسیٰ بن مریم شرقی دمشق میں ایک سفید منارہ پر سے نزول فرمائیں گے ہر صدی کے آغاز میں ایک مجدد کے آنے کی بھی بشارت دی گئی ہے۔

یہ بشارت رفتہ رفتہ ظاہر ہو رہی تھیں اور اب وہ فتنہ عظیم نمودار ہو گیا ہے جس نے امت اسلامیہ کو ابتلا میں ڈال کر اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیا ہے۔ ان مصائب میں لوگوں کے دل اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ اختلاف دور ہو گیا ہے اور مسلمان جہاد کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔

اگرچہ یہ فتنہ ازبس روح فرسا ہے لیکن یہ اس کڑوی دوا کی طرح ہے جو کسی مریض کو دیجائے پیروان اسلام میں کبر و جہل اور ظلم و عدوان جیسی بیماریاں گھر کر چکی تھیں اس فتنہ نے دلوں میں پھر روحانیت پیدا کر دی ہے پتھر جیسے سخت دل نرم ہو گئے ہیں حق پرستوں کو سرفروشی وانفاق کا موقعہ مل گیا ہے امت گہری نیند سے چونک پڑی ہے اور دل کی آنکھیں وا ہو گئی ہیں۔

ایسے حوادث میں اللہ نے جہادِ مالی و جانی کا حکم دیا ہے جو لوگ ضعیف و مریض ہونے کیوجہ سے میدانِ جنگ میں نہیں جا سکتے۔ ان پہ بذلِ اموال فرض کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی صاحبِ ثروت ایسے مواقع پہ دولت کو بچا کر رکھے تو محشر میں اسی دولت سے اس کے جسم کو داغا جائے گا خصوصاً وہ جو سود سے حاصل کی گئی ہو یا جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔

غزوۂ تبوک میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایثارِ مالی کی اپیل کی تو حضرت عثمان نے پچاس گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ پلانوں سمیت پیش کئے تھے اور حضورؐ نے فرمایا تھا

ما ضر عثمان ما فعل بعد الیوم۔

(عثمان کا کوئی فعل آج سے بعد اُسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔)

اس جنگ میں جو لوگ شامل نہیں ہوئے تھے انہیں مندرجہ ذیل الفاظ میں تنبیہ کی گئی تھی۔

قل ان کان اٰباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموالٌ اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھادٍ فی سبیلہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہ واللہ

لایھدی القوم الفاسقین۔ (توبہ - ۲۴)

ترجمہ: انہیں کہدو کہ اگر تمہیں باپ۔ بیٹے۔ بھائی۔ بیوی۔ اعزہ و اقارب، دولت، محلات اور تجارت خدا و رسولؐ اور اسکی راہ میں سرفروشی سے زیادہ عزیز ہیں تو ذرا ٹھہرو اور عواقب کا انتظار کرو۔ مت بھولو کہ ایسے فاسق عروج و ارتقار کی منازل عالیہ تک کبھی نہیں پہنچ سکتے)

ایک اور موقعہ پہ ارشاد ہوتا ہے:۔

الا تنصروا یعذبکم عذابًا الیمًا ویستبدل قومًا غیرکم (توبہ - ۳۹)

اگر تم دین حق کی حمایت میں نہیں نکلو گے تو تمہیں طرح طرح کے آلام میں مبتلا کر دیا جائیگا اور تمہیں مٹا کہ کوئی اور قوم وارث زمین بنا دی جائے گی ا

پس جو لوگ جہاد میں شامل نہیں ہوئے انہیں دنیوی ذلت کے علاوہ قیامت میں عذاب الیم کا شکار بننا پڑے گا ایسے لوگوں سے وجاہت و امارت چھین لی جائے گی اور انہیں ذلیل و محکوم بنا دیا جائے گا۔

حدیث میں وارد ہے۔

"جہاد جنّت کا دروازہ ہے۔ یہ دلوں سے مصائب و محن کی کلفت دُور کر دیتا ہے"

ایک اور مقام پہ ارشاد ہوتا ہے۔

"صبر کا نتیجہ ظفر ہے اور راحت محنت کے بعد ملتی ہے" "جب کوئی قوم دشمن سے نبرد آزما ہو جائے تو اس کے دلوں میں محبّت کی ایک دنیا آباد ہو جاتی ہے۔

اس وقت تمام قلم رو جہاد کے لئے تیار ہے۔ ارض موصل و جزیرہ اور جبالِ اکراد میں ایک دنیا آپ کے عساکر منصور کا انتظار کر رہی ہے۔ موقعہ بھی خوب ہے اس لئے کہ بنت بیدار جو غازان کے گھر میں قید تھی۔ ابھی ابھی آئی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ غازان کا اپنے بھائی اور والدہ سے سخت اختلاف ہو گیا ہے پھر اس علاقہ میں ایسے لوگوں کی کثرت ہے جو تاتاریوں کے مقابلہ میں سرفروشی کے لئے تیار ہیں۔ شیخ الجزیرہ یعنی شیخ احمد ایک صاحبِ رسوخ بزرگ ہیں جن کی ہمدردیاں ہمارے شامل حال ہیں۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ خر بندہ غازان کا بھائی روم میں عساکر جمع کر رہا ہے۔ بنت بیدار

نے بھی ان افواہوں کی تائید کی ہے تو اب گھر میں بیٹھ کر حملہ آوروں کا انتظار کرنا دانش مندی نہیں ہمارا فرض ہے کہ لشکر لے کر دشمن کے گھر پر ٹوٹ پڑیں۔ خلفائے راشدین ہمیشہ دوسرے ممالک کی طرف لشکر بھیجتے تھے وہ گھر میں بیٹھ کر حملہ آوروں کا انتظار نہیں کرتے تھے۔

رسول اللہ نے اسامہ بن زید کو شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔ بعد میں جب آپ کا انتقال ہوگیا تو مسلمانوں میں تفرقہ پڑ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حکمِ رسول ؐ کی تعمیل کی جب نصارائے شام نے دیکھا کہ عرب گھر سے چل کر ان پر حملہ آور ہوئے ہیں تو وہ گھبرا گئے اور ان پر اتنا رعب چھا گیا کہ ان کی ہمت پست ہوگئی اور وہ مغلوب ہو گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات پر وصیت کی تھی۔

لَا تُشْغِلكَ وفاتي عن جهاد عدوكم۔

(میری موت تمہیں جہادِ عدو سے نہ روکے)

چند روز کا واقعہ ہے کہ حلب کا ایک امیر اپنے لشکر کے ساتھ جزیرہ میں شکار کھیلنے گیا۔ دشمنوں نے سمجھا کہ ایک اسلامی لشکر ان پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے چنانچہ وہ لوگ سخت گھبرا گئے اور نہایت بدحواسی کے عالم میں جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ سال میں کم از کم دو دفعہ ضرور جہاد کریں ورنہ ان کی زندگی معرضِ خطر میں پڑ جائے گی۔

اس وقت تاتاریوں نے تمام ممالکِ اسلامیہ اجاڑ دیئے ہیں اگر ہمیں بھاگنا پڑا تو کہیں کوئی ملجا و ماوا موجود نہیں اس لئے جہاد کے سوا کوئی اور چارہ کار باقی نہیں رہا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ انہیں ہمارے ہاتھوں ذلیل کریگا اس لئے کہ اس سلسلہ میں متواتر بشارات موجود ہیں۔ مجھے میرے والدِ محترم نے بتلایا تھا کہ حملۂ تتار سے پچاس سال پہلے انہیں ایک کتاب کہیں سے ملی تھی جس کا سن تصنیف قدامت کی وجہ سے معلوم نہیں ہوسکا۔ اس کتاب کے آخر میں خروجِ تاتار کا ذکر ہے اور یہ بھی مندرج ہے کہ مصری تاتاریوں کو شکستِ فاش دیں گے اس لئے مجھے فتح پر

لہ مسولینی آمر اطالیہ نے جنوری ۱۹۴۰ء میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں زندہ رہنے کے لئے سال

یقین ہے۔

پھر یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ارضِ وطن کو چھوڑ کر سراسیمگی میں راہِ فرار اختیار کرنا کہاں کی دانشمندی ہے ہم کہاں جائیں گے اور کہاں رہیں گے، ہمارے سامنے صرف دو ہی راہیں ہیں، زندگی یا موت بھاگنا چارہ مصیبت نہیں، اگر آپ کا لشکر اس طرف آجائے تو اس میں کئی فوائد ہیں۔

(۱) اس طرف کے لوگوں میں احساسِ امن پیدا ہو جائے گا۔

(۲) حلب سرسبز علاقہ ہے جہاں چارہ و غذا کی افراط ہے تاتاریوں سے پہلے آپ اس پر قابض ہو جائیں گے۔

(۳) حلب سرحدِ دشمن کے قریب ہے جہاں سے جنودِ منصورہ کا رعب دشمن پہ پڑیگا۔

(۴) آپ کی موجودگی میں اعداد کو یہاں سازشوں کا موقعہ نہیں ملے گا اور لوگ آپ کی مدد کرینگے

بہر حال گھر میں بیٹھ کر اعداء کا انتظار کرنا سخت غلطی ہے۔ اس لیئے کہ اگر ہمیں سرحد پہ شکست ہوئی تو دار الخلافہ میں پناہ لے سکیں گے لیکن اگر دار الخلافہ میں شکست ہو گئی تو پھر کہیں امان نہیں ملے گی پھر دار الخلافہ میں اگر دشمن کو شکست بھی ہو جائے تب بھی ہماری فتح شکست سے کہیں زیادہ المناک ہو گی۔ اس لئے کہ دشمن سرحد سے دار الخلافہ تک کے تمام شہروں کو اس طرح تباہ کر دے گا کہ ان کا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا۔ والسلام۔ (عمری۔ص ۱۳۰)

ابنِ خلدون کا بیان

ابن خلدون[۱] تاتاری حملہ کی تفصیل یوں دیتے ہیں:۔

"جب غازان نے شام پر حملہ کیا اور ناصر کو شکست ہوئی تو دمشق پر خوف و دہشت کے بادل منڈلانے لگے۔ اس وقت چند بزرگان دمشق جن میں بدر الدین بن جماعہ، تقی الدین بن تیمیہ اور جلال الدین قزوینی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں، غازان کے ہاں پہنچے اور اماں مانگی چنانچہ منشورِ امن جاری ہوا لیکن تاتاری "صالحیہ"[۲] میں مظالم توڑتے رہے اس پر چند بزرگان قوم غازان کے ہاں گئے لیکن باریابی نہ ہوئی۔ انہوں نے چار لاکھ درہم بھی دینا منظور کیئے بشرطیکہ تاتاری واپس چلے جائیں لیکن اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اُن وحشیوں نے مدرسہ عالیہ اور مسجد و قلعہ کو جلا

---

۱ ابن خلدون۔ ج۔ ۵

۲ دمشق کی ایک نواحی بستی۔

ڈالا۔ ساتھ ہی دار الحدیث اور چند دیگر مدارس گرا دیئے

واقعہ شقحب یکم رمضان ۷۰۲ھ کو واقعہ شقحب پیش آیا۔ شقحب دمشق کے قریب ایک مقام ہے جہاں تاتاریوں اور اسلامی فوجوں میں مقابلہ ہوا تھا۔ اس میں امام ابن تیمیہ بھی ایک دستے کی کمان کر رہے تھے۔ یہ محض آپ کی کرامات۔ قوۃ ایمان اور خلوص نیت کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی۔

ابن عبدالہادی کہتے ہیں کہ واقعہ شقحب میں تمام سپاہی۔ بادشاہ اور امرا۔ آپ کی بیحد تعظیم کرتے تھے اور آپ کی زیارت حصولِ ثواب کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔ (البدایہ۔ ج ۱۴۔ ص ۲۲)

جنگِ کسروان جنگِ شقحب کے بعد اواخر ذی الحجہ ۷۰۴ھ میں جبل کسروان[1] کا واقعہ پیش آیا۔ اہل کسرواں مسافروں پر ڈاکے ڈالتے اور گرد و نواح کے لئے خطرہ بنے ہوئے تھے۔ امام نے اطرافِ شام میں خطوط بھیج کر لوگوں کو جہاد پر اکسایا اور خود بھی نائب السلطنت افرم کے ہمراہ تیار ہو گئے۔ یہ پہاڑ اس قدر دشوار گزار تھے کہ آج تک کسی کو ان پر حملے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ یہ عزت پہلی دفعہ ابن تیمیہ اور نائب السلطنت کو حاصل ہوئی۔ یہ جنگ کوئی ہفتہ بھر جاری رہی۔ ۱۲ محرم ۷۰۵ھ کو کسروانیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جب اس فتح کے بعد لشکر دمشق میں واپس آیا تو ابن تیمیہ کا نہایت دھوم دھام سے استقبال ہوا۔

فتح کسرواں کے متعلق دو خط آپ نے جبل کسرواں کی فتح کے بعد دو خط لکھے تھے ایک اپنے عم زاد عزالدین کو اور دوسرا مصر کے بادشاہ

---

[1] دمشق اور طرابلس۔ شام کے درمیان پہاڑیوں کے ایک سلسلے میں سب سے اونچی پہاڑی کسرواں کہلاتی تھی۔ ان میں ایسے فرقے (مثلاً اسماعیلیہ۔ باطنیہ وغیرہ) آباد تھے جن کی ہمدردیاں تاتاریوں کے ساتھ تھیں اور ان لوگوں نے صلیبی جنگوں میں عیسائیوں کا ساتھ دیا تھا۔ انہوں نے پہاڑوں میں مضبوط قلعے بنا رکھے تھے جن سے نکل کر یہ ارد گرد کے علاقے میں بار بار لوٹ مار کرتے اور لوگوں کو غلام بنا کر بیچ ڈالتے تھے۔ ۲ محرم ۷۰۵ھ کو اسلامی فوج امیر جمال الدین آقوش الافرام اور امام ابن تیمیہ کی قیادت میں ان پہاڑیوں میں پہنچیں اور وہاں کے قبائل کو سخت سزا دی۔ (ھمری ص ۱۲۹)

کو ہر دو کا ملخص درج ذیل ہے۔

(۱) از مقام جبل کسروان

محررہ سوموار غرہ صفر ۷۰۵ھ

بخدمت امام عز الدین بن عبدالعزیز بن عبداللطیف بن تیمیہ اور دیگر اعزہ واحباب جن تک یہ خط پہنچے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اپنے بندے کو فتح دی۔ اسلامی لشکر کو منصور اور اعدا کو ذلیل کیا۔

اس فتح سے مسلمانوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ دین متین کو عزت ملی اور کفار ومنافقین کو جو کتاب وسنت سے منحرف ہوچکے تھے شکست نصیب ہوئی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نصاریٰ۔ یہود اور تاتار کو امت اسلامیہ کے خلاف کئی بار مدد دی تھی یہ لوگ جمہور اسلام کو کافر کہتے تھے صفات الٰہیہ کے مکذب، رویۃ الٰہی کے منکر اور قضا وقدر سے انکاری تھے۔ یہ اہل بیت کے دشمن صحابہ کے مخالف، ازواج نبی پہ الزامات تراشنے والے اور دین مبین میں بگاڑ پیدا کرنے والے تھے یہ ایسے محفوظ اماکن میں آباد تھے۔ جہاں آج تک کوئی فوج نہیں پہنچ سکی۔ بلند اور خار دار پہاڑ، عمیق وادیاں۔ گھنے جنگل اور ہیبت ناک۔ سیاحملہ آور کی راہ میں حائل تھے۔ مزید برآں یہ لوگ پہاڑی قلعوں میں پناہ گزیں تھے انہیں شکست دینا معمولی دل گردہ کا کام نہیں تھا لیکن جب خدا کسی قوم کو سزا دینے کا فیصلہ فرمادے، تو اسے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔

وَظَنُّوٓا اَنَّھُمْ مَانِعَتُھُمْ حُصُوْنُھُمْ مِنَ اللّٰہِ فَاَتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ (حشر۔۲) (وہ اپنے قلعوں کو اپنی حفاظت کا کفیل سمجھتے تھے لیکن الٰہی عذاب ایسی طرف سے آگیا جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی۔ اللہ نے ان پر خوف ورعب مسلط کر دیا اور وہ اپنے گھر اپنے ہاتھوں سے اجاڑنے لگ گئے ان لوگوں پہ اہل حیرۃ[1] نے بیس حملے کئے تھے لیکن ناکام ہوئے اسی طرح بعض دیگر اسلامی

---

[1] کوفہ سے تین میل دور ایک شہر جو اب مٹ چکا ہے اور وہاں اب نجف کا قصبہ ہے۔

اور مسیحی سلاطین کو بھی یہاں ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ان لوگوں نے ہزارہا مسلمانوں کا خون بہایا، عورتوں کی بے حرمتی کی اور اس قدر مفاسد برپا کیے کہ فتنۂ تاتار گرد ہو کر رہ گیا۔

ہم نے اللہ کی عنایت سے ان کو شکست دی۔ان کے بلاد پر قبضہ کر کے انہیں جلاوطن کر دیا۔ان کے مقتولین کی تعداد کا اندازہ اللہ کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا۔ان میں سے بعض نے اسلام لانے کا وعدہ کیا چنانچہ انہیں اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ امن سے زندگی بسر کریں۔صلوٰۃ وصیام اور دیگر احکامِ شرعی کی پابندی کریں۔کتاب وسنت کے پیرو بنیں اور مسلمانوں کے رنج و راحت میں برابر کے شریک ہوں۔اگر اس کے بعد انہوں نے کسی شرط کی خلاف ورزی کی تو انہیں سخت سزا دی جائے گی۔ہم نے انہیں بلادِ اسلامیہ میں الگ الگ بسا دیا ہے تاکہ دوبارہ شیرازہ بندی نہ کر سکیں۔ہم نے ان کے گھر برباد کر دیے۔بستیوں کو آگ لگا دی۔کھیتوں کو اجاڑ دیا اور ان پھلدار درختوں کو جو ان کے لئے مدارِ حیات تھے کاٹ دیا۔جس طرح حضورؐ کے ہاتھوں بنی نضیر کی دُرگت بنی تھی۔اسی طرح یہ لوگ ہماری تلوار کے سامنے ذلیل ہوئے۔

ہمیں ایک ایسی فتح نصیب ہوئی ہے جس کا گمان تک نہ تھا۔ہمارے اعدار کو یقین تھا کہ ہم زندہ نہیں لوٹیں گے لیکن اس مشکل کشا نے ہماری مشکلوں کو یوں حل کیا کہ دنیا حیرت زدہ ہو گئی۔دعا ہے کہ اللہ اپنے سچے بندوں پر رحمت کی بارشیں برسائے۔

میرا سلام تمام احباب اور خصوصًا ان بزرگوں تک پہنچا دیں جو حج بیت اللہ سے ابھی ابھی واپس آئے ہیں۔

(نوٹ) چونکہ حامل رقعہ رات ہی کو دمشق جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔اس لئے یہ خط جلدی میں لکھ کر اسکے حوالے کیا ہے۔ (عمری۔ ص۔۱۳۳)

بخدمت جلالۃ الملک غازی سلطان ناصر ایدہ اللہ بنصرہٖ۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندوں کو فتح عطا فرمائی اسلامی افواج کامیاب اور احزاب ناکام ہوئے بادشاہ اور مومنین پر اللہ کا یہ بہت بڑا احسان ہے اس سے اسلام کو نئی زندگی ملی اور مخبرِ صادق کی یہ بشارت کہ ہر صدی پر ایک مجدد آیا کرتا ہے۔سچی ثابت ہوئی۔یہ کامیابی جلالۃ الملک کی حسن نیت اور ہمت وشجاعت کا نتیجہ ہے آپ کا یہ کارنامہ

خلفاء راشدین کے عہدِ ہمایوں کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اہل کسرواں کے مفاسد سے دنیا تنگ آچکی تھی یہ لوگ خلفاء راشدین کو مرتد خیال کرتے تھے۔ حال ہی میں جب تاتاری حملہ آور ہوئے تو ان لوگوں نے ان کی حمایت کی مسلمانوں کو غلام بنا کر بیس دن تک "قبرص" میں فروخت کرتے رہے۔ ان لوگوں کے عقائد عجیب و غریب ہیں۔ تمام دنیائے اسلام کو مرتد سمجھنے کے علاوہ یہ ایک امام منتظر کے قائل ہیں جس کی عمر دو سے پانچ سال تک کی ہے اور جو کسی پہاڑ میں ۴۰۰ سال سے پناہ گزین ہے۔ اسی طرح ان کا خیال ہے کہ جو شخص خدا کو فوق العرش قرار دے اُسے ہادی و مضل اور خالق کل خیال کرے اسماء و صفات اللٰہیہ کا معتقد اور قضاء و قدر کا قائل ہو۔ وہ کافر ہے۔ ان لوگوں کے ائمۃ الکفر میں سے ایک ابن العود تھا جس کی تصانیف اس جنگ میں ہمارے ہاتھ لگیں یہ لوگ تقیہ و نفاق کو اصولِ مذہب سمجھتے ہیں مسلمانوں پر ڈاکے ڈال کر نصاریٰ کی ضیافتیں کرتے ہیں جلالۃ الملک نے اس طائفہ کا استیصال کر کے اُمتِ مسلمہ پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ طائفہ حروریہ[1] سے کچھ ایسے ہی وجوہات کی بنا پر ہوئی تھی۔

یہ لوگ (حروریہ) صلوٰۃ و صیام کے پابند تھے لیکن اپنے بعض عقائد کی وجہ سے واجب القتل قرار دیئے گئے۔ ان لوگوں نے صرف ایک مسلم عبداللہ بن خباب کا خون بہایا تھا۔ دوسرے طرف اہلِ کسرواں صلوٰۃ و صیام کے قطعاً پابند نہیں۔ ان کی بستیوں میں قرآن شریف کا ایک نسخہ تک نہیں ملا۔ انہوں نے ہزارہا مسلمانوں کا خون بہایا تھا اس لئے یہ لوگ یقیناً واجب القتل تھے۔ ہم نے ان کے درخت اس لئے کاٹ ڈالے کہ رسول اللہ نے بنی نضیر کے اشجار اسی طرح کاٹ دیئے تھے۔ یہ ان کے لئے مدارِ حیات تھے نیز وہ یہاں حملہ کے وقت چھپ جایا کرتے تھے۔ بہر حال اللہ کا شکر یہ ہے کہ اس نے حقانیت کا بول بالا کیا۔ ان جہال کے ائمۃ الکفر قتل ہو گئے۔ اب یہ لوگ سیدھی راہ پر آجائیں گے۔

یہ لوگ صلوٰۃ و صوم سے نا آشنا ہونے کے علاوہ خون، مُردار، خنزیر اور شراب کو حلال سمجھتے

---

[1] حروریہ، خوارج کا ایک فرقہ جو نجدہ بن عامر الحنفی (۶۹ ھ) کا پیرو تھا۔ یہ شراب نوشی کی سزا کا قائل نہ تھا اور چھوٹے سے جھوٹ کو بھی کفر سمجھتا تھا (الملل۔ ج۔ ۱ ص ۱۲۲)

تھے اور یہود و نصارٰی سے بڑے بے دین تھے۔ امید ہے بہت جلد اس علاقہ میں اسلام پھیل جائے گا۔ گھر گھر سے تلاوت کی صدائیں بلند ہونگی، مساجد میں خطبے پڑھیں جائیں گے اور یہ کفرستان ہدایت وصداقت کا گہوارہ بن جائے گا۔ (کواکب۔ ص ۱۶۵)

متفرق آپ عموماً یہ اشعار پڑھا کرتے تھے

عَوَی الذِّئبُ فَاستانستُ بِالذِّئبِ اِذْعَوی | وَصوَّتَ انسانٌ فکدتُ اَطیرُ

(بھیڑیے نے آواز دی اور میں بھیڑیے ہی سے مانوس ہوگیا۔ پھر جب انسان نے آواز دی تو قریب تھا کہ میں خوشی سے اُڑ جاتا)

وَاَخرج من بَینِ البیُوتِ لعلّنی | اُحدِّثُ عنكَ النفسَ فی السّرِ خالیا

(میں گھروں سے نکل کر باہر چلا جاتا ہوں تاکہ تنہائی میں تیرے متعلق اپنے آپ سے باتیں کرسکوں)۔ (التردد۔ ص ۳۶)

جوشِ عقیدت حضرت امام کی ذات سے دنیا کو کس قدر عقیدت تھی، مندرجہ ذیل خطوط[1] سے اندازہ فرمائیے:۔

(۱) قوام الدین عبداللہ بن حامد شافعی کا خط ابوعبداللہ بن رشیق کی طرف:۔

"حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ آپ کا خط ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے گرامی نامہ کا جواب جلد نہ دے سکا۔

ابنِ تیمیہ کی وفات کے بعد مجھے آپ کے تلامذہ، اعزہ واقارب کے ساتھ دلچسپی رہی ہے اس لئے کہ مجھے آپ کے تبحرِ علمی ودیگر اوصاف نے بیحد گرویدہ بنا رکھا تھا۔ آپ سے پہلے میں دیگر اکابرِ امت کی کتب پڑھا کرتا تھا لیکن تشفی نہ ہوتی تھی۔ یہ لوگ اپنے بیان کردہ دلائل کیخلاف اعتقاد رکھتے تھے میں نے معتزلہ، اشعریہ، حنابلہ وکرامیہ خراسان کی تحریرات کو دیکھا اور یقین ہوگیا کہ یہ لوگ بسا اوقات ایسے مسائل پر اتفاق کرلیتے ہیں جو عقل ونقل ہر دو کے خلاف ہوں مجھے مجبوراً چند

---

[1] الکافی: ابنِ تیمیہ (دمشقی)

عقائد وضع کرنا پڑے لیکن ان کی تائید اقوالِ سلف سے نہیں ہوتی تھی۔ آخر مجھے امام موصوف کی تصانیف پڑھنے کا اتفاق ہوا اور یہ دیکھ کر میری مسرت کی حد نہ رہی کہ جو کچھ میں چاہتا تھا وہاں مل گیا۔ اور کہ آپ کے بیان کردہ مسائل عقل و نقل کے سراسر مطابق ہیں۔ اس لئے مجھے آپ سے محبت ہو گئی جب میں نے آپ سے ملنے کا ارادہ کیا تو آپ جیل میں ڈال دیئے گئے۔ پھر جب ۷۲۸ھ میں حج سے فارغ ہونے کے بعد آپ سے ملنے کی تیاری کی تو آپ کی موت میری تمناؤں کو پامال کر گئی اور مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ شاید ایک بھائی کو بھائی اور باپ کو اکلوتے بیٹے کی وفات پر اتنا رنج نہ ہو۔ جب کبھی آپ کا خیال آتا ہے تو دل بے چین ہو جاتا ہے اور میں اس تاسف سے کہ آپ کی ملاقات سے محروم رہا۔ ہمیشہ رویا کرتا ہوں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

میں نے گذشتہ خط میں آپ سے مصنفاتِ شیخ کی فہرست طلب کی تھی۔ آپ اس مسئلہ پر خاموش ہو گئے۔ میں نے دوبارہ جرأتِ طلب اس لیئے کی کہ شاید کوئی مصلحت حائل ہو گی اب چونکہ مطلع قدرے صاف ہو چکا ہے اس لئے ممنون ہونگا۔ اگر آپ فہرست کے علاوہ کوئی تصنیف بھی ارسال فرمائیں۔ امام موصوف کا کلام خالص کندن ہے۔ طلبۂ علم کا فرض تھا کہ وہ تمام آفاق سے آپ کے ہاں حصولِ علم کے لئے آتے لیکن کاش کہ مصائب نے امام کو تعلیم و تدریس کی مہلت نہ دی۔

آپ کے معاندین کو ان مسافرانِ صحرا سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو شدتِ تشنگی سے قریب المرگ ہوں۔ یکایک ریگستان سے ٹھنڈے چشمے پھوٹ نکلے۔ ان عقل کے اندھوں نے اسے سراب سمجھا اور تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

امامِ موصوف صحرائے ہستی میں حیات و نور کے چشمہ مصفا تھے۔ کاش کہ یہ لوگ مستفید ہوتے۔ امام کے اصحاب و اقربا کو میری طرف سے سلام پہنچا دیں۔ والسلام۔

۲۔ قوام الدین عبداللہ بن حامد شافعی کا خط قاضی شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن سعد الدین ابو محمد سعد اللہ بن نجیح الحرانی (۷۲۳ھ) کی طرف۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

اللہ آپ کی ذاتِ گرامی کو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہمیشہ باقی رکھے۔ آپ کے اوصاف کو بیان کرنا ستاروں کو گننا ہے۔ اللہ سے محبت ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے گو دنیا اس متاع سے خالی ہو چکی ہے لیکن بعض ایسے دل موجود ہیں جو اللہ کی محبت سے لبریز ہیں۔ ایسا دل دنیا کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

اللہ سبحانہٗ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ہم میں ایک مجدد پیدا کیا لیکن ہم نے اس کی قدر نہ کی۔ مجھے آپ کی چند تصانیف پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ آپ کے مباحث، دلائل قواعد و مقالات پڑھ کر آپ کے تبحرِ علمی کا دل پر نقش بیٹھ گیا ہے۔ آپ میدانِ حقانیت کے وہ شہسوار ہیں جنہوں نے باطل پر مسلسل حملے کیے۔ بدعات کا استیصال کیا۔ صداقت کی حمایت کی۔ گو مجھے امام موصوف کی زیارت کا شرف نصیب نہیں ہوا لیکن ان لوگوں سے جنہوں نے آپ سے فیض حاصل کیا تھا نیاز کے کئی موقعے ملیں گے۔

۳۔ عماد الدین ابوالعباس احمد بن ابراہیم بن عبد الواسطی المعروف بابن شیخ الحزمین (۷۱۱ھ) نے ایک خط[1] اپنے احباب کو لکھا تھا جس کا ملخص درج ذیل ہے۔

" احمد بن ابراہیم الواسطی کی طرف سے مندرجہ ذیل بزرگوں اور اُن دیگر حضرات کی طرف جو ابن تیمیہ کی خدمت میں عموماً جایا کرتے تھے۔

۱۔ تقی الدین ابو حفص عمر بن عبداللہ بن عبد الاحد بن شقیرا الحرانی (۷۴۴ھ)

۲۔ شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی البرکات المنجا (۷۲۴ھ)

۳۔ زین الدین عبدالرحمٰن بن محمود البعلکی۔

۴۔ نور الدین محمد بن محمد ...... بن الصائغ

۵۔ شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن سعد الدین ...... بن نجیح (۷۲۳ھ)

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ ابن تیمیہ خلفائے راشدین کے صحیح مسلک پر گامزن ہیں جس طرح سلف کو راہِ صداقت پر چلنے سے کوئی ملامت نہ روک سکی۔ اسی طرح ابن تیمیہ کو کوئی خوف اور کوئی طاقت اعلاء کلمۃ الحق سے نہیں روک سکتی

[1] الکاکب الدراری: ابن تیمیہ (قلمی)

قرآنِ حکیم نے تقویٰ پر بہت زور دیا ہے۔ تقویٰ کی وجہ سے انسان اللہ کا محبوب بن جاتا ہے جس طرح تنزل کے کئی مدارج ہیں اسی طرح قربِ الٰہی کی کئی منازل ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ علم زہد اور تقویٰ کی بلندیوں تک پہنچنے کی کوشش کریں اور حمایتِ دین کے لئے جہاد کریں۔

اللہ نے آپ کو علم و بصیرت عطا کی ہے اور آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ ہیں ابن تیمیہ جیسا مجدد موجود ہے آپ کا فرض ہے کہ ان فتنوں کا مقابلہ کریں جو اہلِ بدعت نے پیدا کئے ہیں۔ ان لوگوں نے شریعت بیضار کی صورت مسخ کر دی ہے۔ اتحاد و وحدت الوجود کا عقیدہ وضع کیا ہے اور اپنے آپ کو عجیب و غریب اسمار سے پکارنے لگے مثلاً جہمیہ۔ یونسیہ۔ حلولیہ سبائیہ۔ بیانیہ۔ زیدیہ۔ صدریہ۔ سبعینیہ۔ الکیبانیہ۔ تلمسانیہ۔ رفاجیہ۔ رجائیہ۔ اتحادیہ وغیرہ۔ فرقۂ یونسیہ اپنے مرشد کو خدا تسلیم کرتا ہے۔ یہ وحدت الوجودیئے۔ دنیا کی ہر چیز کو خدا سمجھتے ہیں۔

سلہ (۱) جہمیہ: یہ لوگ جہم بن صفوان کے پیرو تھے۔ جہم ایرانی النسل تھا اور عقیدہ کے لحاظ سے جبریہ تھا اور کہتا تھا کہ انسان کا ہر فعل الٰہی مشیت سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ انسان افعال سیئہ و حسنہ پہ مجبور ہے اور اختیار و استطاعت سے کلیتہً محروم ہے۔ قدریہ کی طرح جہم حدوثِ قرآن کا قائل تھا جنت و جہنم کو فانی تسلیم کرتا تھا اور خلیفۂ وقت کیخلاف جہاد و خروج کو مذہبی فرض قرار دیتا تھا۔ اس نے شریح بن حارث کیسا تھ مل کر نصر بن سیار پر لشکر کشی کی اور اسی جنگ میں ۱۲۸ھ کو قتل ہوا۔ نصر بن سیار، مروان بن محمد (امیہ کا آخری تاجدار) کی طرف سے نائب الحکومتہ تھا۔ (شہرستانی۔ ص۔ ۸۶)

۲۔ صدریہ: یہ لوگ شیخ محمد القونوی کے متبع تھے۔ شیخ قونوی ابن عربی کے معتقدین میں سے تھا۔ اس کی تفسیر سورہ فاتحہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن نے شائع کی ہے اس کی چند اور تصانیف بھی ہیں۔ ۶۷۲ھ کو تقریباً ساٹھ برس کی عمر میں فوت ہوا اور مرنے سے پہلے وصیت کی کہ اسے ابن عربی کے پاس دفن کیا جائے لیکن بعض حالات کے ماتحت اس وصیت پر عمل نہ ہوسکا۔ اس کے مذہبی عقائد سے علماء اسلام متنفر تھے۔ (طبقاتِ کبریٰ۔ از شیخ عبدالوہاب۔ ص۔ ۲۰۳)

۳۔ حلولیہ: اس جماعت کے مختلف فرقے تھے جن کا مقصد اسلام کے اصول الاصول یعنی توحید پر چوٹ

لگانا تھا یہ لوگ مختلف بزرگوں کو اللہ کا مظہر قرار دیتے تھے اور حضرت علیؓ کو اللہ کا اوتار تسلیم کرتے تھے۔ ان میں سے دو اہم فرقوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ سبائیہ۔ یہ لوگ عبداللہ بن سبا کے پیرو تھے عبداللہ نے حضرت علیؓ کے متعلق پہلے نبوت اور پھر الوہیت کا عقیدہ وضع کیا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد یہ کہا کرتا تھا کہ علیؓ فوت نہیں ہوئے بلکہ ان کا شیطان قتل ہوا ہے اور خود علیؓ مسیحؑ کی طرح آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے ہیں۔

۲۔ البیانیہ۔ پیروان بیان بن سمعان تمیمی۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ امامت محمد بن حنفیہ سے آپ کے فرزند ابوہاشم عبداللہ بن محمد کو ملی اور پھر بیان بن سمعان تک بذریعہ وصیت پہنچی اور کہ آیہ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى میں اسی بیان کا ذکر ہے۔ اس فرقے نے بیان کی الوہیت کا بھی دعویٰ کیا۔ خالد بن عبداللہ والیٔ عراق نے بیان کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا (کتاب الفرق فی الفرق شیخ عبدالقاہر بغدادی) ص ۲۴۱ ۔ ۲۵۰)

زیدیہ: یہ فرقہ زید بن علی بن حسن بن علی کی امامت کا قائل تھا اور مدعی تھا کہ یہ امامت زید کے لڑکے یحییٰ تک وراثتاً پہنچی۔ زید کی امامت پہ پندرہ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی تھی اور اس نے ہشام بن عبدالملک کے مقرر کردہ والیٔ عراق یعنی یوسف بن عمر الثقفی پہ چڑھائی کر دی تھی۔ اس کے ساتھی بھاگ گئے اور یہ خود قتل ہو گیا۔ (الملل ج ۱۔ ص ۱۵۴)

الکیسانیہ: یہ لوگ مختار بن ابی عبید الثقفی کے پیرو تھے جو لوگوں کو محمد بن حنفیہ کی امامت کی طرف دعوت دیا کرتا تھا رفتہ رفتہ یہ کوفہ الجزیرہ اور بلاد ارمینیہ پہ قابض ہو گیا اور ان لوگوں کی خبر لینا شروع کر دی جو امام حسینؓ کے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔ طاقت کے گھمنڈ میں آ کر اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ محمد بن الحنفیہ نے اس پہ لشکر کشی کی اور عراق سے بھاگ کر مکہ میں پناہ جو ہوا (تفسیر طنطاوی مصری) شہرستانی لکھتا ہے کہ یہ لوگ حضرت علیؓ کے ایک مولیٰ کیسان کے پیرو تھے (الملل ج ۱ ص ۱۸۷)

اتحادیہ: یہ گروہ شیخ ابوبکر محمد بن علی محی الدین الطائی الحاتمی المرسی معروف بہ ابن عربی کی طرف منسوب ہے۔ ابن عربی وحدت الوجود کا قائل تھا اور کائنات کی ہر چیز کو مظہر الوہیت قرار دیتا تھا۔ علماء کی ایک بھاری جماعت نے اس کے عقائد کو خلاف اسلام قرار دیا جن میں امام ابن تیمیہ بھی شامل ہیں۔ ابن عربی کی پیدائش ۵۶۰ھ اور وفات دمشق میں ۶۳۸ھ کو ہوئی۔ (مرآۃ الجنان۔ از علامہ یافعی۔ ص ۱۰۰)

ان لوگوں نے شریعتِ غرا کے صاف و شفاف چشمہ کو مکدر بنا ڈالا ہے۔ یہ خانقاہوں اور مساجد کے کونوں سے معاصی و مفاسد کا طوفان اٹھا رہے ہیں ان کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے۔ آپ کی حمایت کے لئے ابن تیمیہ موجود ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کو تبلیغ حق میں مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا اسی طرح آپ کو بھی مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا لیکن یاد رکھیئے کہ صبر و استقلال ہی

اس کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا تھا لیکن یافعی مرآۃ الجنان ص ۲۱۶/۴ میں اس کی بہت تعریف کرتا ہے۔

(شذرات از ابن العماد ص ۴۱۲/۵)

سبعینیہ: یہ لوگ عبدالحق ابن سبعین المرسی الاندلسی کے پیرو تھے یہ وحدت الوجود کا قائل تھا۔ اسکی وفات مکہ میں ۶۶۹ھ کو ہوئی (شذرات از ابن العماد ص ۳۲۹/۵)

یونسیہ و رجائیہ: خوارج و روافض نے اعمال کو جزو ایمان قرار دے کر تارک اعمال کو کافر و مخلد فی النار قرار دیا ہے۔ معتزلہ نے گو تارک کو صریحاً کافر نہیں کہا لیکن آخرت میں تارکِ اعمال کو خلد فی النار قرار دیا ہے۔ ان انتہا پسندوں کے ردِّ عمل نے فرقہ رجائیہ پیدا کیا جن کے یہاں اعمال غیر ضروری ہیں۔ رجائیہ کے کئی فرقے تھے جن میں سے ایک یونسیہ ہے۔ یہ گروہ بقول عبدالقاہر (الفرق فی الفرق ص ۱۹۱) یونس بن عون اور بقول یافعی (مرآۃ الجنان ص ۴۹/۴) یونس بن یوسف الشیبانی کا پیرو تھا۔ حافظ ذہبی نے ایک مقام پہ شیخ یونس کو صاحب الکشف تسلیم کیا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

هذا شيخ الطائفة اليونسية اولى الشطح وقلة العقل وكثرة الجهل ابعدالله شرهم

(شیخ یونس یونسیہ جیسے گنوار، کم عقل اور جاہل فرقے کا پیشرو ہے خدا ان کے شر سے بچائے)

شیخ یونس کی وفات ۶۱۹ھ میں ہوئی۔ (ملل ج ۱-۰ ص ۱۴۰)

رفاعیہ: یہ گروہ شیخ احمد بن ابی الحسین کی طرف منسوب ہے۔ شیخ احمد عراق میں ۵۰۰ھ کو پیدا ہوا۔ عقائد میں شافعی المذہب تھا اور تواضع، قناعت، حلم و دیگر اخلاق فاضلہ میں ضرب المثل تھا لیکن اس کے پیرو مکاری و فریب دہی کی وجہ سے بہت بدنام ہو گئے۔ یہ لوگ شعبدے دکھا کر (مثلاً آگ پہ چلنا۔ درندوں پہ سواری۔ سانپ پالنا وغیرہ) دنیا کو لوٹتے تھے۔ شیخ کی وفات ۵۷۸ھ میں ہوئی

(طبقات عبدالوہاب ص ۱۴۳/۱ و مرآۃ الجنان یافعی ص ۴۰۹/۳)

کا نام جہاد ہے۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ ابنِ تیمیہ جیسا شخص ہم میں موجود ہے جس نے بدعت وضلال کے پول کھول دیئے ہیں۔ آپ ساتویں صدی کے مجدد، اسرارِ شریعت کے ماہر، رموزِ حقیقت کے باصر اور غوامض قرآن وسنت کے عالم ہیں۔ مَیں تقریباً تمام عالم میں پھرا ہُوں۔ میں تین دفعہ اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں نے آپ جیسا عالم، خلیق، کریم، حلیم، مجاہد، صادق، اولوالعزم اور بلند ہمت انسان نہیں دیکھا۔ آپ زہد و تقویٰ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور عالم ملکوت وناسوت میں محترم ہیں۔ تم لوگ دُعا کرو کہ اللہ تم پر اس عظیم انسان کی حقیقت بے نقاب کر دے۔

ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا تھا

"لئن ادرکنی یومك لانصرنك"

ترجمہ: اگر مَیں آپ کے ایامِ نبوت تک زندہ رہا تو آپ کی حمایت کروں گا۔

آپکو ایک مجتہد و مجاہد کی حمایت کا موقعہ مِل گیا ہے اس سے فائدہ اٹھائیے۔"

والسّلام

مصنف نے اس خط کا نام التذکرۃ والاعتبار والانتصار للابرار رکھا ہے۔

باب چہارم

تصانیف

آپ کی تصانیف کس قدر ہیں؟ اُن میں سے کتنی شائع ہو کر ہم تک پہنچیں؟ ان کے اصلی نام کیا تھے اور ان میں کیا تبدیلیاں ہوئیں؟ ان سوالوں کا صحیح جواب بوجوہ مشکل ہے۔

تعداد تصانیف میں اختلاف

سب سے پہلی مصیبت یہ ہے کہ سوانح نگار تعداد تصانیف کے باب میں مختلف الاقوال ہیں۔ مثلاً فوات الوفیات میں جو فہرست دی گئی ہے اس میں صرف ایک سو باسٹھ نام آئے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا ماخذ بھی یہی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ کواکب اور جلاء العینین میں صرف چند تصانیف کا ذکر ہے۔ شیخ

عبداللہ بن رشیق (۷۴۹ھ) جو آپ کے کاتب اور آپ کی تصانیف کے جامع تھے لکھتے ہیں کہ جیل زمانہ میں آپ کی تصانیف ضبط کی گئیں تو چودہ گٹھڑیاں نکلیں۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ جیل میں ہر روز حافظہ کی مدد سے اس قدر لکھ جاتے تھے کہ ایک کاتب دن بھر میں اسے نقل نہیں کر سکتا تھا۔ ابوحفص عمر البزار (۷۴۹ھ) کہتا ہے کہ امام کی تصانیف کو شمار کرنا مشکل ہے۔ میں جہاں بھی گیا آپ کی کتابیں دیکھنے میں آئیں۔ (کواکب ص ۱۵۲)

عبدالہادی بن قدامہ (۷۴۴ھ) کہتے ہیں کہ متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے بھی اتنی کتابیں نہیں لکھیں پھر لطف یہ کہ ان میں سے بیشتر جیل میں لکھیں جہاں ان کے پاس کوئی امدادی کتاب موجود نہ تھی (ایضاً)

برزالی تعدادِ تصانیف تین سو بتاتے ہیں (معجم الشیوخ)۔

ابوالوفا ابراہیم بن محمد بن المنیل فرماتے ہیں،

بَلَغَتْ مولفاتهٗ فی حال حیاتِهٖ نحو خمسمائة مجلدٍ او نحوها۔

یعنی آپ کی تصانیف آپ کی زندگی میں پانسو جلدوں کے لگ بھگ پہنچ چکی تھیں (الرّدص ۹)

حافظ ذہبی کہتے ہیں ؛

ولعل تصانیفه فی هٰذا الوقت تکون اربعة الاف کراس او اکثر۔

اس وقت آپ کی تصانیف چار ہزار کراسے یا اس سے بھی زائد ہیں) (الرّد ص ۱۷)

ایک اور مقام پہ ارشاد ہوتا ہے۔

جمعت مصنفاته فوجدتها الف مصنف ثم رایت له مصنفاتٍ اُخریٰ،

(میں نے ان کی تصانیف جمع کیں تو تعداد میں ایک ہزار نکلیں)۔ ظاہر ہے کہ ان متضاد بیانات کی بنا پہ کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنا مشکل ہے

اختلاف کی وجوہ

اس اختلاف کے اسباب کی دریافت چنداں مشکل نہیں۔ اوّل خود حضرت شیخ اپنی تصانیف کی جمع و ترتیب پہ کبھی متوجہ نہیں ہوئے۔ دوم۔ ان کی اکثر تصانیف کی حیثیت زیادہ تر فتاویٰ کی تھی جب کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا حضرت شیخ نے اس کا جواب لکھ کر سائل کے حوالے کر دیا۔ اس طرح ان کی اکثر تحریرات جا بجا بکھر گئیں۔ شاگردوں اور نیاز مندوں

سلہ۔ البدایہ۔ ج۔ ۱۴۔ ص ۲۲۹۔

نے لاریب ان کی فراہمی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہوگا لیکن اس زمانہ میں مطابع موجود نہ تھے کہ ہر تحریر و تصنیف کا محفوظ یا شائع ہوجانا آسان ہوتا۔ اس وجہ سے اکثر تصانیف یکجا نہ ہوسکیں اور سب سوانح نگاروں کو پوری تصانیف نہ مل سکیں۔ اس کی تصدیق حافظ ذہبی کے محولہ بالا قول سے بھی ہوتی ہے حافظ ذہبی نے جمع و ترتیب کا پورا اہتمام کیا۔ تو تصانیف ایک ہزار تک پہنچ گئیں لیکن وہ خود فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ان کی چند اور تصانیف بھی نظر سے گذریں۔

ضخامت کا مسئلہ تصانیف کی ضخامت کے باب میں ایک پیچیدگی "کراسہ" کے لفظ سے پیدا ہوگئی ہے۔ کراسہ کے معنی "جزو کتاب" "رسالہ" یا چھوٹا سا مجموعہ بتائے گئے ہیں لیکن جزو کی کوئی معین ضخامت نہیں بتائی گئی۔ بعض کراسہ کو آٹھ صفحات بتاتے ہیں اور بعض سولہ صفحات کا۔ نیز اس باب میں تقطیع کا مسئلہ غیر معین ہے۔ اگر صفحات کراسہ کی تعداد معین بھی کر لی جائے تو جب تک کاغذوں کی تقطیع کا فیصلہ نہ ہو کتاب کی ضخامت کا صحیح اندازہ مشکل ہے

مجلدات کا اختلاف شیخ کی بعض تصانیف کی تعداد مجلدات میں بھی اختلاف ہے مثلاً

(۱) صاحب فوات الوفیات نے منہاج الاستقامہ کی ایک جلد بتائی ہے لیکن ابو حفص عمر اس کی پانچ جلدیں بتاتے ہیں۔

(۲) جلاء العینین میں تخلیص التلبیس کی سات جلدیں بتائی گئی ہیں لیکن ابو حفص عمر اس کی بیس جلدیں بتاتے ہیں۔

۳۔ ابن بطوطہ نے تفسیر قرآن کی چالیس جلدوں کا ذکر کیا ہے لیکن ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ تیس جلدیں تھیں۔ ساتھ ہی کہا ہے کہ بعض جلدیں محفوظ نہ رہیں ورنہ پوری تفسیر پچاس جلدوں میں تھی۔

(۴) جلاء العینین میں منہاج السنۃ کی دو جلدیں بتائی گئی ہیں۔ فوات الوفیات نے چار جلدیں لکھی ہیں اور چھپی ہوئی کتاب چار ہی جلدوں میں ہے۔

(۵) ابو حفص کے قول کے مطابق فتاوٰی کی جلدیں سترہ تھیں لیکن فوات الوفیات میں تیس بتائی گئی ہیں۔

(۶) ابو حفص عمر نے بیان موافقۃ صریح المعقول لصحیح المنقول کی سات جلدیں بتائی ہیں حالانکہ یہ کتاب منہاج السنہ کے حاشیے پر چار جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

اختلافِ اسماء کتابوں کے ناموں میں بھی اختلاف کے باعث پیچیدگیاں پیدا ہوئیں اور بعض سوانح نگار ایک کتاب کا ذکر دو مرتبہ کر گئے۔ مثلاً

(۱) صاحب کشف الظنون اور محمد یل بیگ نے کتاب التوسل بالنبی اور کتاب الوسیلہ کو دو علیحدہ کتابیں قرار دیا ہے حالانکہ یہ ایک کتاب ہے۔

(۲) اثبات المعاد۔ قاعدہ فی تحریم السماع۔ رسالۃ فی العرش۔ رسالۃ فی حق اللہ وحق رسولہ وحقوق عبادہ۔ شمول النصوص للاحکام اور العقیدۃ الواسطیہ کا شمار بھی ایک سے زائد مرتبہ ہوا ہے۔"

(۳) منہاج السنہ اور الرد علی الروافض والامامیۃ وابن المطہر ایک ہی کتاب کے مختلف نام ہیں لیکن الکتبی انہیں علیحدہ علیحدہ شمار کرتا ہے۔

(۴) صاحب کشف الظنون مندرجہ ذیل تین وصایا کو مصنفاتِ امام میں شمار کرتا ہے:

(ا) وصیۃ لابن المہاجری۔

(ب) وصیۃ للتجیبی۔

(ج) وصیۃ لابی القاسم النبنی۔

لیکن اس وقت جو وصایا طبع ہو کر ہم تک پہنچی ہیں۔ وہ صرف دو ہیں۔ اور ان کے اسماء یہ ہیں:

(ا) الوصیۃ الکبریٰ۔

(ب) الوصیۃ الصغریٰ

قولِ راجح امام برزالی کے قول[۱] کے مطابق آپ کی تصانیف تین سو کے لگ بھگ تھیں۔ ابراہیم بن محمد خلیل الحلبی[۲] پانسو بتلاتا ہے اور حافظ ذہبی[۳] اس تعداد کو ایک ہزار تک پہنچا دیتا ہے یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ قولِ راجح کونسا ہے۔

حافظ ذہبی کے بیان کی تصدیق کسی اور ماخذ سے نہیں ہوتی۔ ہم ذہبی جیسے محدث و عالم باعمل پر دروغ بافی کا الزام بھی عاید نہیں کر سکتے اس لئے آپ کے قول کی اگر کوئی توجیہہ ہو سکتی تو وہ یہی کہ امام نے مختلف مسائل پر چھوٹے چھوٹے رسائل لکھے ہوں گے۔

---

[۱] معجم الشیوخ [۲] الرد الوافر ص ۹۶۔ [۳] الرد الوافر ص ۱۸۔

جن کی حیثیت اس وقت مستقل کتابوں کی ہوگی (ظاہر ہے کہ آج بھی فتاویٰ اور رسائل (مجموعے) کی ہر بحث کو الگ کتابی صورت دے دی جائے تو تعداد ہزار سے بڑھ جائے گی بعد میں جب آپ کے ارادت مندوں کو تصانیف کی حفاظت کا خیال آیا تو کئی رسالوں اور کراسوں کو ملا کر ایک کتاب بنا دی اور اس طرح تصانیف کی تعداد کم ہو کر پانچ سو تک رہ گئی۔

امام برزالی کے قول کی توجیہہ تلاش کرنا دشوار نہیں۔ امام کے زمانے میں طبع ونشر کی موجودہ سہولتیں میسر نہ تھیں اس لئے کسی تحریر کا معرض وجود میں آتے ہی تمام متلاشیانِ علم تک پہنچنے کا امکان بہت کم تھا۔ یہ ممکن ہے کہ کسی روز امام نے کسی عراقی کو کوئی طویل تحریر بجواب استفسار لکھ کر دے دی ہو اور اہلِ دمشق کو پتہ تک نہ چلا ہو اس لئے اگر برزالی کے علم میں معجم الشیوخ لکھتے وقت صرف تین سو تصانیف تھیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ برزالی بہت سی ایسی تحریرات سے ناآشنا تھے جو مختلف اسلامی ممالک میں وقتاً فوقتاً جا چکی تھیں چونکہ نشر واشاعت کے موجودہ وسائل اس وقت موجود نہ تھے اس لئے برزالی کی یہ لاعلمی قابل درگذر ہے۔

ابوالوفا ابراہیم بن محمد کے بیان کی تصدیق بعض دیگر منابع سے بھی ہوتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ امام کی تصانیف پانچ سو کے لگ بھگ تھیں جن میں سے تقریباً پچاس ساٹھ آج چھپ چکی ہیں۔ اگلے صفحات میں کوئی چار سو پچاسی تصانیف کا ذکر ہے۔

استعذار محولہ بالا مشکلات کے پیشِ نظر امام کی تصانیف کی کوئی ایسی فہرست تیار کرنا جس میں تمام اسماء آجائیں اور وہ تکرارِ اسماء اور دیگر لغزشوں سے بھی پاک ہو بہت مشکل ہے۔ میں نے مہینوں کی تلاش وجستجو کے بعد مندرجۂ ذیل فہرست تیار کی ہے لیکن یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میرے نتائج تلاش قابلِ اعتماد نہیں۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ میں نے کسی ایسی کتاب کو دو دفعہ درج کر دیا ہو جس کا اصلی نام کچھ اور ہو اور طبع ہونے کے بعد بدل گیا ہو یا کوئی تحریر فتاویٰ یا مجموعۃ الرسائل میں آچکی ہو اور ... ں اس کا علیحدہ ذکر کر دیا گیا ہو۔

فہرست تصانیف

ا

الاعتراضات المصریہ علی الفتوی الحمویہ وجوابہا۔

اثبات المعاد۔

اجوبۃ القرآن۔

ابطال الکلام النفسانی

اثبات الصفات والعلو والاستواء (۲ جلد)

ابطال الکیمیا۔

اقتضاء الصراط المستقیم۔

اجازۃ لاھلِ سبتہ۔

اجازۃ لاھلِ غرناطہ۔

اجازۃ لاھلِ اِصفہان۔

اجازۃ لبعض اھل تبریز۔

اجوبۃ مسائل السلط۔

الامامت والسیاست

الاختیارات العِلمیّہ۔

اقوم ما قیل فی القضا والقدر والتعلیل۔

الارادۃ والامر۔

الاکلیل فی المتشابہ والتاویل۔

اجوبۃ کونِ جھۃ السموات کرسیّۃ وسبب قصد القلوب العلوّ۔

اھل البدع ھل یصلی خلفھم۔

اصحاب الصفّۃ۔

اقامۃ الدلیل علی ابطال التحلیل۔

ایضاح الدلالۃ فی عموم الرسالۃ۔

اربعون حدیثا۔

الاشباہ والنظائر۔

ب

بیان حل اشکال ابن حزم السوار د علی الحدیث۔

ت

تفسیر سورۃ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى۔

" " وَالشَّمْسِ۔

" " وَالْقَلَمِ۔

" " الْفَجْرِ۔

" " البلد۔

" " اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔

" " لَمْ يَكُنْ۔

" " اَلْكَافِرُوْنَ۔

" " تَبَّتْ۔

" " اَلْمعوذتین۔

" " اَلْاِخْلَاص۔

" " كَوْثَر۔

تحقیق الاثبات فی الاسماء والصفات

تعلیقہ علی فتوح الغیب للجیلانی۔

تحریم السماع۔

التحریر فی مسئلۃ الحصر۔

التحفۃ العراقیۃ۔

تنبیہ الرجل الغافل علی تمویۃ الجدل الباطل۔

تفصیل الاجمال فیما یجب اللّٰہ من صفات الکمال۔

التبیان فی نزول القرآن۔

تناسی الشدائد فی اختلاف العقائد۔

التسمیۃ علی الوضوء۔

تحریم دخول النساء بلا مئزر فی الحمام۔

تیسیر العبادات لارباب الضرورات بالتیمم والجمع بین الصلاتین للعذر۔

تارک المثانی وکفرہ۔

تحریم الشبابۃ۔

تحریم الحشیشۃ المغیبۃ۔

تحریم اقسام المغرمین بالغرائم المعجمۃ۔

تخلیس التلبیس من تاسیس التقدیس۔ (۲جلد بقول نوات ۲۰ جلد)

تلبیس الجھمیۃ فی تاسیس بدعھم الکلامیۃ۔

تعارض العقل والنقل۔

التفضیل بین التکفیر والتضلیل۔

تخذیل اھل الانجیل۔

ج

الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح۔

جواب ما اوردہ کمال الدین الشریشی علی کتابہ تعارض العقل والنقل۔

جواب فی تعلیل مسئلۃ الافعال۔

جواب فی مسألۃ القرآن ھل ھُوَ حرفٌ وَصَوْتٌ۔

جواب فی العزم علی المعصیۃ ھل یعاقب العبد علیہ۔

د

ذ

ر

رسالة فی تفسیر قوله تعالیٰ ۔ وما اصابك من حسنة فمن الله ۔

〃 〃 〃 〃 〃 واذا حییتم بتحیة ۔

〃 〃 〃 〃 〃 ومن یقتل مومنا متعمدا ۔

〃 〃 〃 〃 〃 اذا قمتم إلی الصلوٰة ۔

〃 〃 〃 〃 〃 فلما جن علیه اللیل ۔

〃 〃 〃 〃 〃 وکیف اخاف ما اشرکتم ۔

〃 〃 〃 〃 〃 لا احب الآفلین ۔

〃 〃 〃 〃 〃 لاتدرکه الابصار ۔

〃 〃 〃 〃 〃 واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ..... الخ

〃 〃 〃 〃 〃 واختار موسٰی من قومه سبعین رجلا ۔

〃 〃 〃 〃 〃 یا ایها النبی حسبك الله ۔

〃 〃 〃 〃 〃 وان احد من المشرکین استجارك فاجره

〃 〃 〃 〃 〃 فاتموا الیهم عهدهم

〃 〃 〃 〃 〃 انما الصدقات للفقراء

〃 〃 〃 〃 〃 وما کان المومنون لینفروا کافه ۔

〃 〃 〃 〃 〃 کتاب احکمت آیاته ۔

〃 〃 〃 〃 〃 افمن کان علیٰ بینة من ربه ۔

〃 〃 〃 〃 〃 خالدین فیها ما دامت السمٰوٰت والارض

〃 〃 〃 〃 〃 ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربك

〃 〃 〃 〃 〃 وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۔

〃 〃 〃 〃 〃 وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ۔

〃 〃 〃 〃 〃 حَتّٰی اِذا استیأس الرسل ۔

〃 〃 〃 〃 〃 قل هٰذه سَبِیْلِیْ ادعوا اِلَی الله ۔

رسالۃ فی تفسیر قولہ تعالیٰ ۔ ویسبح الرعد بحمدہ ۔

" " " " " افمن یعلم انما انزل الیک من ربک الحق الخ

" " " " " ولقد اتینک سبعا من المثانی ۔

" " " " " ھذا صراط علیّ مستقیم ۔

" " " " " انّ فی ذالک لایۃ لقوم یتفکرون (سورۃ النحل)

" " " " " ضرب اللہ مثلا عبدا مملوکا ۔

" " " " " ولقد نعلم انھم یقولون ۔

" " " " " لا الٰہ الا انت سبحانک ۔

" " " " " انکم وما تعبدون من دون اللہ

" " " " " وما ارسلنا قبلک من رسول ولا نبی ۔

" " " " " ومن عاقب بمثل ما عوقب بہ

" " " " " الزانی لا ینکح الا زانیۃ ۔

" " " " " قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ۔

" " " " " انما اوتیتہ علی علم عندی ۔

" " " " " تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین ۔

" " " " " الم ۔ احسب الناس ۔

" " " " " ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء ..... الخ ۔

" " " " " ولا تجادلوا اھل الکتٰب الا بالتی ھی احسن ۔

" " " " " انّ الشرک لظلم عظیم ۔

" " " " " وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا ۔

" " " " " اذکروا نعمت اللہ علیکم الخ (اس میں قصہ خندق کا ذکر ہے)

" " " " " فلا تسالون عمّا اجرمنا ۔

" " " " " ثمّ اورثنا الذین اصطفینا من عبادنا ۔

رسالة فی تفسیر قولہ تعالیٰ والّذین کفروالهم نار جهنّم ۔
" " " " رفیع الدّرجات ۔
" " " " افلم یسیروا فی الارض (سورہ غافر)
" " " " لَیسَ کَمِثْلِهٖ شَیئٌ ۔
" " " " قل ان کان للرّحمٰن ولدٌ فانا اوّل العابدین
" " " " ولقد اخترناهُم علیٰ عِلْمٍ ۔
" " " " وَمَاخَلَقْتُ الجِنَّ والانس اِلّا لِیَعْبُدُوْن ۔
" " " " حتّیٰ اذا بلغت الحلقوم ۔
" " " " وما یکون من نجوٰی ثلاثه
" " " " اذا جاءکم المؤمنات مهاجرات فامتحنوهن
" " " " لنخرجنّکَ یا شعیب والذین امنوا ۔
" " " " وان لیس لِلْانسان اِلّا ما سعیٰ ۔

رسالة فی الخضر هل مات او هو حیّ ۔
رسالة فی ان اسمٰعیلؑ هو الذبیح ۔
رسالة فی حدیث من قال انا خیر من یونس بن متی فقد کذب ۔
رسالة فی الاحتجاج بالقدر ۔
رسالة فی اوقات النهی والنزاع فی ذوات الاسباب وغیرها ۔
رسالة فی یزید هل یسبّ ام لا ۔
رسالة فی الزوال واختلاف وقته باختلاف البلدان ۔
رسالة فی احتجاج الجهمیة والنصاریٰ بالکلمة ۔
رسالة فی اللقاء وما ورد فیه فی القرآن ۔
رسالة فی الاشتغال بکلام اللّٰه واسمائه وذکره ۔
رسالة فیمن عزم علیٰ فعل محرم ثم مات ۔

رسالۃ فی الذوق والوجد الذی یذکرہ الصوفیۃ۔

الرسالۃ الاربلیتہ فی الاستواء والنزول ھل ھو حقیقۃ ام لا۔

رسالۃ فی غض البصر وحفظ الفرج۔

رسالۃ فی القرآن۔

رسالۃ فی الاستطاعۃ۔

رسالۃ فی قرب الرب من عابدیہ وداعیہ۔

رسالۃ فی الاستواء وابطال قول من تاولہ بالاستیلاء۔

رسالۃ فی عصمۃ الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

رسالۃ فی العین والقلب واحوالہ۔

رسالۃ ھل کان النبی قبل الرسالۃ نبیاً۔

رسالۃ ھل کان النبی قبل الوحی متعبداً بشرع من قبلہ۔

رسالۃ فی نوی الفقار۔

رسالۃ فی وجوب العدل علی کل واحد۔

رسالۃ فی کفر فرعون۔

رسالۃ فی ان کل حمد وذم للمقال والافعال لا بد ان یکون بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ۔

رسالۃ فی فضل السلف علی الخلف۔

رسالۃ فی حق اللہ وحق رسولہ وحقوق عبادہ۔

رسالۃ فی عقیدۃ الاشعریۃ والماتریدیۃ والحنفیۃ۔

رسالۃ فی ان مبدأ العلم الالٰہی عند النبی ھو الوحی۔

رسالۃ فی الایمان ھل یزید وینقص۔

رسالۃ فی المظالم المشترکۃ۔

رسالۃ فی العرش والعالم ھل ھو کروی الشکل ام لا۔

رسالۃ فی الجنۃ والامکان العالم۔

رسالۃ فی جواب محی الدّین الاصفہانی۔

رسالۃ فی المباینۃ بین اللہ وبین خلقہ۔

رسالۃ فی قولہ امرت ان اخاطب النّاس علیٰ قدر عقولھم۔

رسالۃ فی اصول الدّین للعدویہ۔

رسالۃ فی الاصول لاھل جیلان۔

رسالۃ لاھل قبرص تتضمن قواعد دینیۃ اصولیۃ۔

رسالۃ فی حال الحلّاج۔

رسالۃ فی العبّاس و بلال ایھما افضل۔

رسالۃ لاھل تدمر

رسالۃ فیمن قال ان بعض مشائخنا احیائینا۔

رسالۃ فی فضائل الائمۃ الاربعۃ۔

رسالۃ فی ذبائح اھل الکتاب۔

رسالۃ فی اھداء الثواب للنبیؐ۔

رسالۃ فی قولہ کما صلّیت علیٰ ابراھیم۔

رسالۃ اجوبۃ مسائل اصفہان۔

ممکن ہے۔ یہ رسالہ اور رسالۃ فی جواب محی الدّین الاصفہانی۔ ایک ہی ہوں۔ واللہ اعلم۔

رسالۃ فی حقیقۃ الکلام الالٰھی۔

رسالۃ فی اجوبۃ مسائل الاندلس۔

رسالۃ فی ارض الموات اذا احیاھا ثم عادت۔

رسالۃ فی النھی عن اعیاد النّصاریٰ۔

الرّسالۃ المدنیہ۔

الرّسالۃ المصریہ۔

الرسالة البغدادیہ۔

رسالة الی اهل البصرہ

رسالة کتبها الی القاضی السروجی۔

الرسالة العدیة کتبها الی بیت الشیخ عدی بن مسافر۔

رسالة الی بیت الشیخ جاشنکیر۔

رسالة کتبها الی ملک قبرص۔

رسالة الی البحرین و ملوک العرب۔

رسالة لاهل العراق۔

رسالة الی ملک مصر۔ *ممکن ہے یہ اور رسالة المصریہ ایک ہی ہوں لیکن مصنف عقود الجواہر نے دو علیحدہ علیحدہ رسائل تسلیم کئے ہیں۔*

رسالة الی ملک حماہ۔

الرسالة البعلبکیہ۔

رسالة فی الفرق بین ما یتاول و مالا یتاول من النصوص۔

رسالة فی المسالة الحرفیة۔

الرد علی فلسفہ ابن رشد۔

الرسالة السبعینیہ۔

رسالة تکسیر الاحجار۔

رسالة فی اثبات وجود النفس بعد الموت۔

رسالة فی عرض الادیان عند الموت۔

رسالة فی المفاضلة بین الغنی الشاکر و الفقیر الصابر۔

رفع الملام عن الائمة الاعلام۔

رفع الحنفی یدہ۔

رسالة الاستغاثة۔

رسالة فی الغیبة ۔

رسالة العبادات الشرعیه والفرق بینھا وبین البدعة ۔

درس فی کلام الامام احمد فی الاصول ۔

رسالة الاجماع والافتراق فی الحلف با طلاق ۔

ز

زواجر لطیف[1] الرد علی الفلاسفة (۴ جلد)

س

السیاسة الشرعیه فی اصلاح الراعی والرّعیه ۔

ش

شرح اوّل المحصل للفخر ۔

شرح دعاء ابی بکرؓ ۔

شرح رسالة ابن عبدوس ۔

شرح لعمدة (۴ جلد)

شرح المحرر ۔

شرح عقیدة الاصفهانی ۔

شرح علیٰ اوّل کتاب الغزنوی ۔

شرح مسائل من الاربعین للرازی ۔

شرح حدیث کان اللہ ولم یکن شیئ قبلہ ۔

شرح حدیث النزول ۔

صاحب الفوات نے "ھل الاستواء والنزول حقیقة" علیحدہ کتاب دی ہے ممکن ہے ایک ہی ہوں ۔

---

[1] اوراق آئندہ میں ابطال فلاسفہ پر کئی قواعد درج ہیں ممکن ہے یہ اور وہ ایک ہی ہیں ۔

شرح حدیث فحاج آدم موسیٰ۔

شرح حدیث جبریل فی حدیث الایمان والاسلام۔

شرح حدیث ابی ذر فی منیریۃ ثالث۔

شمول النصوص۔

ص

صلوٰۃ بعض اہل المذاہب خلف بعض۔

الصلوات المبتدعۃ۔

صداقت الرسول۔

الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول۔

یہ کتاب ۲۲ فصول پہ مشتمل ہے اور تعداد صفحات ۶۰۰ ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مسیحی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جس پہ ابن تیمیہ نے یہ کتاب لکھی۔ آپ کا فیصلہ یہ ہے کہ شاتم رسول کو قتل کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل واقعات سے استشہاد کرتے ہیں۔ ۱۔ الاعمیٰ صحابی نے ایک عورت کو سب رسول کی وجہ سے قتل کر ڈالا تھا۔

۲۔ کعب بن اشرف کو اسی جرم پہ محمد بن مسلمہ (۳ ۴۳ء ۴۰۴ھ) نے مار ڈالا تھا۔

یہ ہر دو واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہوئے تھے۔

۳۔ عصماء بنت مروان کو بنی خطمہ کے ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے کر قتل کر ڈالا وہ بھی اسی جرم کی مرتکب ہوئی تھی۔

۴۔ ابوعفک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو لکھا کرتا تھا جنگ بدر کے بعد اسے سالم[1] بن عمیر نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

(۵) انس بن زنیم نے رسول صلعم کی ہجو لکھی۔ آپ نے اس کی موت کا فیصلہ دے دیا۔ وہ تنگ آکر مدینہ پہنچا۔ تائب ہوا اور چند اشعار مدح رسول میں لکھے۔

---

[1] بدر، اُحد اور خندق میں شامل۔ وفات بہ عہد امیر معاویہ۔

۶۔ فتح مکہ کے روز چار آدمیوں کے سوا باقی تمام اسلام لے آئے۔ یہ لوگ رسول اللہؐ کو بُرا بھلا کہا کرتے تھے۔ حضورؐ نے ان کے قتل کے احکام نافذ کر دیئے اور ان کا انجام یوں ہوا۔

(ا) عبداللہ بن اخطل کو سعید بن حارث (۱۵ھ) نے مسجد کعبہ میں مار ڈالا۔

(ب) مقیش بن صبابہ پہ سرِ بازار ہجوم حملہ آور ہوا اور وہ کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔

(ج) عکرمہ بن ابی جہل (۱۳ھ) کشتی میں محوِ تفریح تھا کہ یکایک طوفان نے آ لیا۔ سخت گھبرایا۔ بمشکل ساحل تک پہنچا اور فوراً مدینہ میں پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔

(د) عبداللہ بن ابی سرح پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کاتب تھا پھر مرتد ہو گیا۔ جب اُس پہ وسعتِ ارض تنگ ہو گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کو ساتھ لے کر دوبارہ تائب ہوا۔

دو مطرب لڑکیاں حضورؐ کی ہجو گایا کرتی تھیں۔ ایک قتل ہو گئی اور دوسری نے تائب ہو کر جان بچائی۔

ابوسفیان بن حارث (۲۰ھ) اور بُجیر بن زہیر (۱۸ھ) آپ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ ان کے احکامِ موت نافذ ہوئے لیکن یہ تائب ہو کر بچ گئے۔

رؤسائے قریش میں سے عاص بن وائل، ابن عبدیغوث، ولیدؔ[1] بن مغیرہ اور حارث بن قیس بدترین اعدائے رسول تھے تمام کے تمام قتل ہوئے۔

جب رسولؐ کے خطوط قیصر و کسریٰ کے پاس پہنچے تو قیصر نے عزت کی لیکن کسریٰ نے خط پھاڑ ڈالا۔ خدا نے اوّل الذکر کی سلطنت کو مدتوں باقی رکھا اور سلطنتِ کسریٰ کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ (الصارم ۵۰۔۱۰۴)

ط

الطّلاق البدعی لا یقع۔

ع

العقیدۃ الواسطیۃ۔

---

[1] ولید بن مغیرہ مکہ کے متعلق [illegible] ہمارے اسلام کے مشہور جرنیل خالدؓ کا والد

العقیدۃ الحوفیۃ۔

علم الظاہر والباطن۔

العبودیہ۔

العقود المحرمۃ۔

ف

الفرقان بین الحق والباطل۔

الفرقان بین اولیاء الشیطان والرحمٰن۔

الفتیا الحمویۃ الکبریٰ۔

ابن ہادی فرماتے ہیں کہ آپ کے دو حمویہ ہیں۔ کبریٰ و صغریٰ۔

الفتیا الحمویۃ الصغریٰ۔

الفتیا المراکشیۃ۔

الفتیا البغدادیہ (ممکن ہے رسالۃ بغدادیہ اور یہ ایک ہی ہوں)

الفتیا الکیلانیۃ۔

الفتیا التدمریۃ (رسالہ لاهل تدمر" ممکن ہے ہر دو ایک ہی ہوں)

الفتیا البعلبکیۃ۔

الفتیا الازہریۃ۔

الفتیا القادریۃ۔

فتیا فی مسئلۃ العلو۔

فی الحلال۔

فی زیارت بیت المقدس۔

فی معنی القیاس۔

فی الکلام علی الفطرۃ

فی الکلام علی القُصّاص۔

فی سُنۃِ الجمعۃ۔

فی فضائل ابی بکرؓ وعمرؓ۔

فی محبۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

الفرق المبین بین الطلاق والیمین۔

فی شراء السلاح بتبوک وشرب السوئق بالعقبۃ۔

فتاوی ابن تیمیہ ۵۰ جلد۔ بقول ابوحعفص عمرؒ ۱ جلد اور بقول الکبتی ۳۰ مجلدات اس فتاوٰی میں کئی اور رسائل، قواعد، فتوے شامل ہیں۔ جن کا ذکر یہاں علیحدہ ہوا ہے۔

الفتح علی الامام فی الصلوٰۃ۔

ق

قاعدۃ فی القرآن۔

قاعدۃ فی فضائل القرآن۔

قاعدۃ فی اقسام القرآن۔

قاعدہ فی امثال القرآن۔

قاعدۃ فی الفاتحۃ وفی الاسماء التی فیہا۔

قاعدۃ فی تفسیر اوّل البقرۃ۔

قاعدۃ فی ایاک نعبد وایاک نستعین۔

قاعدۃ فی ابطال قول الفلاسفۃ بقدم العالم۔

قاعدۃ فی الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد۔

" " القضایا الوھمیۃ۔

" فیما یتناھی ومالا یتناھی۔

" فی ان خوارق العادات لا تدل علی الولایۃ۔

" " اثباتِ کراماتِ الاولیاء۔

قاعدة فی ان الایمان والتوحید یشتمل علی مصالح الدنیا والآخرة۔[1]

" " ان مخالفة الرسول لاتکون الا عن ظن واتباع هوی۔

" " الصبر والشکر۔

" " الرضی۔

" " ان کل آیة یحتج به مبتدع فیها دلیل علی فساد قوله۔

" " تفضیل صالحی الناس علی سائر الاجناس۔

" " الخلوات والفرق بین الخلوة الشرعیة والبدعیة۔

" " لباس الخرقة۔

القاعدة الصعیدیة

قاعدة فی الفقراء والصوفیة ایهم افضل۔

" " محبة الله للعبد ومحبة العبد الله۔

" " الاخلاص والتوکل۔

" " الشیوخ الاحمدیة۔

" " شرح اسماء الله الحسنیٰ۔

" " قوله ستفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقة۔

" " الاستغفار وشرحه۔

" " ان الشریعة والحقیقة متلازمان۔

" " الخلة والمحبة ایهما افضل۔

" " العلم المحکم۔

" " خلافة الصدیق رض۔

" " فیما لکل امة من الخصائص وخصائص هٰذه الامة۔

---

[1] ممکن ہے یہ اور قاعدہ فی الایمان والتوحید ایک ہی ہوں لیکن کشف الظنون میں علیحدہ علیحدہ درج ہیں۔

فاعدة فی الکلیات۔
" " الغنا والاصطلام۔
" " العلم والحلم۔
" " الاقتصاص بالدعاء۔
" " تزکیة النفوس۔
" " کلام ابن العریف فی التصوف
" " الزھد والورع۔
" " الایمان والتوحید۔
" " امراض القلوب وشفاءھا۔
" " السیاحة ومعناھا۔
" " خلة ابراھیم علیہ السلام۔
" " من امتحن فی اللہ وصبر۔
" " الصفح الجمیل والھجر الجمیل والصبر الجمیل۔
" " اقتران الایمان بالاحتساب۔
" " الرد علی اھل الاتحاد۔
" " الصبر المحمود والمذموم۔
" " ما تتعلق برحمة اللہ فی ارسال محمد ﷺ وان ارسالہ اجل النعم۔
" " العمرة المکیة
" " الکلام علی المرشد۔
" " کلام الجنید رض۔
" " التسبیح والتحمید والتھلیل۔
" " توحید الشھادة
" " القواعد الخمس۔

قاعدة فی القدریة۔

" " بیان طریقة القرآن فی الدّعوة والهدایة۔

" " ان الله خلق الخلق لعبادته (کشف نے یہ اور رسالہ وما خلقت الجنّ الخ علیحدہ علیحدہ دیئے ہیں)۔

" " وصیّة لقمان لابنه

" " تسبیح المخلوقات من الجمادات وغیرها۔

" " السّیاحة والعزلة و فی الفقر والتصوّف۔

" " مشائخ العلم ومشائخ الفقراء۔

" " تعذیب المؤبذنب غیرہٖ۔

" " ان جامع الحسنات العدل۔

" " فضل عشر ذی الحجّة۔

" " ارسال النبی صلّی الله علیه وآله وسلّم الی الانس والجن۔

" " رجوع البدع الی شعبة من شعب الکفر۔

" " الاجماع۔

" " ما بطن من تعارض النص والاجماع۔

" " رجوع المغرور علی من غرّہ۔

" " السنّة والبدعة۔

" " مقدار الکفارة فی الیمین۔

" " لفظ الحقیقة والمجاز والبحث مع الآمدی۔

" " المائعات والمیاہ واحکامها۔

" " تطهیر الارض بالشمس والرّیح۔

" " مسائل من النذور والضمان۔

" " المائعات والمیتة اذا وقعت فیها۔

قاعدة فی الوقف وشروط الوقف۔

〃 〃 تفصیل مذھب الامام احمد۔

〃 〃 ان جنس فعل المامور بہ افضل من جنس ترک المنھی عنہ۔

〃 〃 طھارۃ بول ما یوکل لحمہ۔

〃 〃 معاھدۃ الکفار المطلقۃ والمقیدۃ۔

〃 〃 دم الشھید ومداد العلماء۔

〃 〃 وجوب التسمیۃ علی الذبائح والصید۔

〃 〃 ان کل عمل صالح اصلہ اتباع النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

〃 〃 تفصیل مذاھب اھل المدینۃ

〃 〃 نواقض الوضوء۔

〃 〃 الاجتھاد والتقلید۔

〃 〃 الجھاد والترغیب فیہ۔

〃 〃 المخطیٔ فی الاجتھاد وھل یاثم۔

〃 〃 ما یحل ویحرم من الاطعمۃ۔

〃 〃 طواف الحائض۔

〃 〃 ما شرعہ اللہ بلفظ العموم ھل یکون مشروعاً بلفظ الخصوص۔

〃 〃 لعب الشطرنج۔

〃 〃 مفطرات الصائم۔

〃 〃 السفر الذی یجوز فیھا القصر والفطر۔

〃 〃 الجمع بین الصلوتین۔

〃 〃 ما یشترط لہ الطھارۃ۔

〃 〃 مواقیت الصلوٰۃ۔

〃 〃 الکنائس وما یجوز ھدمہ منھا۔

قاعدۃ فی مذھب معین ھل یجب علی العامی ام لا۔

" " حلق الرأس ھل یجوز فی غیر النسک۔

" " ما یحل ویحرم بالنسب والصھریۃ والرضاع۔

" " الجد ھل یجبر البکر علی النکاح۔

" " الجھر بالبسملۃ۔

" " القراۃ خلف الامام۔

" " من بکر وابتکر وغسل واغتسل۔

" " الانبذۃ والمسکرات۔

" " حل الدور ومسائل الجبر والمقابلۃ۔

" " قولہ ـــــ استحللتم فروجھن۔

" " الحسبیۃ۔

" " المسئلۃ السریجیۃ۔

" الشکر للہ۔

" " اھل السنۃ والجماعۃ فی رحمۃ اھل البدع والمعاصی و مشارکتھم فی صلاۃ الجماعۃ۔

" " اثبات الرد علی القدریۃ والجبریۃ۔

" " کیفیۃ الاستدلال علی الاحکام بالنص والاجماع (۳ جلد)

" " الاستحسان فی وصف العموم والالحاق والاطلاق۔

" " تقریر القیاس۔

" " ان النھی یقتضی المضادۃ۔

" " حدیث القلتین۔

" " عدم[1] نقض الوضوء بلمس النساء۔

---

[1] یہ قاعدہ صرف فوات نے دیا ہے۔ ممکن ہے نواقض الوضوء اور یہ ایک ہی ہوں۔ کشف الظنون نے اس کا ذکر نہیں کیا

قاعدة فی ان جمیع ذنوب المسلمین مکفرة -

" " تقریر ان الحلف بالطلاق من الایمان حقیقه -

" " القنوت فی الصبح والوتر -

" " غالبها اقوال الفقہا (دو جلد)

ک

کتابُ الایمان -

کتابُ الاستقامہ (دو جلد)

کتاب الرّد علی اھل کسروان -

کتاب الوسیلة -

کتاب فی الرّد علی البکری -

کتاب فی الرّد علی المنطق -

کتاب فی محنة فی مصر -

کتاب الکلام علی ارادة اللہ وقدرته -

کتاب ابطال قول الفلاسفة باثبات الجواہر العقلیة -

کتاب فی الشہادتین وما یتبع ذالک -

کتاب فی الرّد علی رافضة کسروان -

الکلام الطیب یشتمل علی احادیث فی الاذکار والادعیہ -

کتاب الرّد علی الاخنائی -

کراسة فی بقاء الجنة والنار وفی فناءھما -

کراھیة التلفظ بالنیة وتحریم الجہر بھا فی الاذکار -

کراھیة تقدیم بسط سجادة المصلی قبل مجیئه -

کتاب التحقیق فی الفرق بین اھل الایمان والتطلیق -

الکلام علی بطلان الفتوة

کتاب فی خلق الافعال۔

کتاب فی اصول الفقہ۔

الکلام علی حقیقۃ الاسلام والایمان۔

ل

اللفالف فیمن لا یعطی اجرۃ الحمام۔

لمحۃ المقتطف فی الفرق بین الیمین والحلف۔

اللمعۃ۔

م

المسائل الاسکندریہ۔

منہاج السنۃ۔ (چار جلد و بقول کتبی ۲ جلد۔ در اصل چار جلد ہے)

مراتب الارادۃ۔

المہذب

مذہب السلف القدیم فی کلام اللہ القدیم۔

مسئلۃ النیۃ فی الطہارۃ والصلوٰۃ۔

مجار کبیر۔

مسئلۃ فی العقل والروح۔

مسئلۃ فی مقربین ہل یسألہم منکر ونکیر۔

مسئلۃ ہل یعذب الجسد مع الروح فی القبر۔

مختصر فی کفر النصیریۃ فی جواز قتال الرافضۃ

مسائل وردت من زرع۔

" " وجنۃ۔

مسئلۃ الدرۃ المضیۃ فی فتاوی ابن تیمیہ الماردفیۃ الطرابلسیۃ۔

مسائل الفرق بین الطلاق البدعی ونحو ذالک۔

مناسك الحج۔

موافقة صريح المعقول لصحيح المنقول (۴ جلد وبقول البوحعض، جلد۔ دراصل ۴ ہی ہیں)

المجزوب۔

مناظرة ابن تيمية۔

منهاج الاستقامة والاعتدال (۵ جلد وبقول البوحعض ایک جلد)

المنتقى لاخبار المصطفىٰ (دو جلد)

یہ کتاب کھیں اور شیخ الاسلام کی کتب میں شمار نہیں ہوئی۔ صرف بمبئی کے کتب فروش شرف الدین الکبتی نے اپنی فہرست میں تصانیف ابن تیمیہ کے ذیل میں دی ہے۔

معارج الوصول۔

منظومة فى القدر

مجموعہ رسائل کبریٰ۔

" تسع رسائل۔

" الرسائل والمسائل۔

" خمس رسائل نادرة (ممکن ہے یہ اور القواعد الخمس ایک ہی ہوں۔ ان ہر چہار مجموعوں میں چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں۔ مجموعہ رسائل کبریٰ ۲۹ رسائل پہ مشتمل ہے۔ دوسرا مجموعہ نو رسائل پہ وعلیٰ ہذا القیاس۔ مجموعہ رسائل کبریٰ کے چند رسالوں کے نام یہ ہیں معارج الوصول۔ العقيدة الواسطية۔ درجات اليقين وغیرہ یہ تمام اسما کشف الظنون اور دیگر فہرستوں میں علیحدہ دیئے ہوئے تھے اس لئے میں نے بھی علیحدہ درج کر دیئے۔ علاوہ ازیں ابتدا میں ان تمام تصانیف کو علیحدہ حیثیت حاصل تھی اور یہ مجموعے بعد کے بدعت ہیں۔

المسئلة النصيرية۔

منهاج الكرامة فى معارف الامامة۔

المناسك الكبرىٰ والصغرىٰ۔

ن

نکاح المحلل۔

النجوم هل لها تاثیر عند القران۔

و

الوصیۃ الصغریٰ۔

" الکبریٰ۔

وصیۃ لابن المهاجری۔

الواسطہ بین الخالق والمخلوق۔

ولی اللہ۔

ھ

الهدیٰ والضلال۔

الهلاکونیۃ۔ (ہلاکو خاں تاتاری کے ایک سوال کا جواب ہے)

مجھے صرف اسی قدر کتب کے اسماء مل سکے۔ بعض کتب کئی مجلدات میں ہیں۔ اگر ہر جلد کو انفرادی طور پہ ایک تصنیف فرض کیا جائے تو تعداد تصانیف تقریباً پانچسو چالیس تک پہنچ جاتی ہے بصورت دیگر تعداد کتب صرف ۴۸۵ رہ جاتی ہے۔ الکتبی صرف ۱۶۲ تصانیف درج کرنے کے بعد کہتا ہے۔

واشیاء لم یصل ذکرها الینا ولا اسماءها علینا۔

(بعض اور تصانیف بھی ہیں جن کا ہمیں علم نہیں اور نہ اُن کے نام معلوم ہیں۔)

اس تذکرہ میں الکتبی کی دی ہوئی تصانیف کے علاوہ تین سو تیئس مزید کتابوں کے نام درج ہیں۔ کشف الظنون جیسی مکمل و مفصل فہرست میں صرف ۳۶۴ نام ہیں۔ ابن بطوطہ سفرنامہ میں کہتا ہے کہ ابن تیمیہ نے جیل میں ایک تفسیر لکھی تھی جس کا نام بحر المحیط تھا اور چالیس جلدوں پر مشتمل تھی۔ اس نام کو عمداً درج نہیں کیا۔ اس لئے کہ مختلف پاروں اور حصص قرآن کے اسماء علیحدہ علیحدہ دیئے گئے ہیں۔ مندرجہ ذیل کتب کے علاوہ باقی ایک جلد میں

(۱) تخلیص التلبیس	بقول جلاد فوات	۷، ۲۰	جلد بالترتیب
تلبیس الجہمیہ		۶	جلد
زواجر لطیف		۴	"
شرح لعمدہ۔		۴	"
فتاویٰ ابن تیمیہ	بقول ابوحفص والکتبی	۱۷، ۳۰	"
کیفیۃ استدلال۔		۳	"
قاعدہ غالبہا اقوال الفقہا۔		۲	"
منہاج السنۃ		۴	"
موافقۃ صریح المعقول لصحیح المنقول۔	بقول الکتبی و ابوحفص	۴، ۷	جلد بالترتیب
منہاج الاستقامہ	" " "	۱، ۵	"
المنتقیٰ		۲	جلد

باب پنجم

تصانیف کا موضوع

امام نے اپنی پانچ سو تصانیف میں سینکڑوں مسائل پہ بحث کی ہے اور اپنے دور کی ہر بدی کے خلاف جہاد کیا ہے آپ نے تمام کج رو فرقوں اور طبقوں مثلاً فلاسفہ. معتزلہ باطنیہ۔ اسماعیلیہ وغیرہ کی تردید کی۔ نص۔ سنت۔ قیاس۔ اجماع اور اجتہاد پہ روشنی ڈالی اخلاقِ عالیہ یعنی صبر. شکر. تسلیم۔ اخلاص۔ توکل۔ حلم۔ عدل۔ احسان اور زہد و تقویٰ پہ الگ الگ کتابیں لکھیں۔ تصوف کی حقیقت سمجھائی۔ مشکل آیات و احادیث کی تشریح کی سینکڑوں فقہی مسائل پہ اپنا فیصلہ دیا۔ بعض سلاطین عصر کو تبلیغی خطوط لکھے۔ بعض کلامی مسائل مثلاً صفاتِ باری۔ قضا و قدر۔ امر و ارادہ۔ وحی۔ امامت۔ اللہ کا عرش پہ استوار اور نزول عصمتِ انبیاء۔ جنت و جہنم کی حقیقت۔ حیات بعد الموت وغیرہ پہ جدا جدا کتابیں لکھیں۔

چونکہ ان کتابوں میں سے صرف ۶۰ - ۷۰ طبع ہوئی ہیں اور باقی ماندہ کے صرف نام ہی ہم تک پہنچے ہیں اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ امام نے مختلف اصنافِ علم میں کتنی کتابوں کا اضافہ کیا تھا۔ ایک رف سا اندازہ یہ ہے کہ آپ نے:

ا۔ عنوان تفسیر کے تحت تقریباً ۸۰ کتابیں لکھیں تھیں۔ ان میں سے بعض پوری سورتوں کی تفسیر پر مشتمل ہیں مثلاً

تفسیر سورۃ القلم۔
" " الاعلیٰ۔
" " الفجر۔
" " البلد۔
" " الشمس۔
" " البینۃ۔
" " الکوثر۔
" " الاخلاص۔ وغیرہ۔

اور بعض میں خاص آیات کی تفسیر ہے۔ مثلاً۔

رسالۃ فی قولہٖ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی ..... الخ۔
" " " وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاهِيمَ
" " " شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔
" " " الَّذِيْنَ يَاكُلُوْنَ الرِّبٰوا .....
" " " ما یعلم تاویلہ۔
" " " مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ .....
" " " لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔
" " " اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى .....

ب۔ حدیث پر آپ کی کوئی چالیس کتابوں کے نام ملتے ہیں مثلاً

الکلم الطّیّب ۔ المأة المنتقاۃ من صحیح البخاری ۔
عوالی البخاری ۔ شرح ما روی عن عمرؓ
شرح حدیث لا یرث المؤمن الکافر ۔
〃 〃 انزل القرآن علیٰ سبعة احرف ۔
〃 〃 اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ۔
〃 〃 اُمِرْتُ اَنْ اخاطب الناس علیٰ قدرِ عُقُولِھِمْ ۔
وغیرہ وغیرہ ۔

ج ۔ فقہ پر آپ نے ۱۲۰ سے زیادہ کتابیں لکھی تھیں ۔ چند نام یہ ہیں :-

مجموعة الفتاویٰ ۔
قاعدۃ نواقض الوضوء ۔
قاعدۃ فی مواقیت الصّلوٰۃ ۔
〃 〃 احکامِ السّفر ۔
〃 〃 الجمعة ۔
〃 〃 مقدارِ الکفّارۃ والیمین ۔

د ۔ اصولِ فقہ پر ۲۰ ۔ ۲۱ کتابوں کے نام ملتے ہیں مثلاً :-

قاعدۃ فی اصولِ الفقہ ۔
〃 〃 الاجتہاد والتّقلید ۔
〃 〃 المُخْطِی فِی الاجتہاد ۔
〃 〃 فضائل الائمّة الاربعة ۔
〃 〃 تعارض النّصّ والاجماع ۔

۷ ۔ عقائد اور علمِ کلام کے مسائل پر تقریباً ایک سو بیس کتابیں لکھیں مثلاً ۔

العقیدۃ الحمویّہ ۔
رسالة فی القرآن ھل کان حرفاً وصوتاً ۔

رسالة فی علم الظاهر والباطن۔

العقیدة الواسطیة۔

کتابٌ فی خلق الافعال۔

مسئلةٌ فی العقل والرّوح۔

و۔ اخلاقیات و تصوف پہ کوئی ساٹھ کتابوں کے نام ملتے ہیں مثلاً:

رسالة فی وجوب العدل۔

قاعدة فی العِلم والحِلم۔

" " تزکیة النّفوس۔

" " الزّھد والورع۔

" " امراضِ القلوب وشفاءِھا۔

" " الاستغفارِ وشرحِہ۔

ز۔ فلسفہ و منطق کی تردید پہ درجن بھر کتابیں سپردِ قلم کیں۔ مثلاً:

کتاب ابطال قول الفلاسفہ بقدم العالم۔

" فی الرّد علی المنطق۔

" " " الفلاسفة (چار جلد)

قاعدة فی اثبات المعاد والرّدُّ علی ابن سِینا

" ابطال المجرّدات

" نقضِ المنطق۔

ح۔ آپ کی تقریباً ۳۰ کتابیں متفرق مسائل پہ ہیں مثلاً:

قاعدة فی دم الشّھید و مدادِ العلماءِ۔

" " مالکلّ اُمّةٍ مِنَ الخصائص۔

" " تسبیح المخلوقات۔

" " فضائلِ ابی بکرؓ و عمرؓ۔

رسالۃ فی مسئلۃ الشفاعۃ۔

" " الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔

" " بیاض الوجوہ و سوادِھا۔

اِن کتابوں کا میزان یہ ہے:۔

تفسیر	پر تقریباً	۸۰	کتابیں
حدیث	پر	۴۰	"
فقہ	"	۱۲۰	"
اصول فقہ	"	۲۰	"
عقائد و کلام	"	۱۲۰	"
اخلاق و تصوف	"	۶۰	"
تردید فلسفہ و منطق	"	۱۰	"
متفرق مسائل	"	۳۵	"
میزان تقریباً		۴۸۵	"

عقائد میں اختلاف گو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں ہی بعض لوگ مسئلہ تقدیر کے متعلق الجھن میں پڑ گئے تھے لیکن انہیں اظہار کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ جب حج کے ایک سفر میں یحییٰ بن یعمر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ کچھ لوگ تقدیر کا انکار کر رہے ہیں تو آپؓ نے فرمایا۔ انہیں کہہ دو کہ میں اُن سے اور وہ مجھسے الگ ہو گئے ہیں۔ (صحیح مُسلم۔ باب ماجاء فی الایمان والاسلام و ذکر القدر)

صحابہ کی اس سخت گیری کی وجہ سے برسوں تک کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکا۔ لیکن بعد میں جب ان کا اثر ماند پڑنے لگا تو عقائد میں فتور آگیا۔

معبد الجُہنی صحابہ کے آخری ایام میں بصرہ کے ایک شخص معبد الجُہنی (۸۰ھ) نے تقدیر خیر و شر کا یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ اگر ہر نیک و بد کا فیصلہ پہلے ہی سے

ہو چکا ہے تو پھر پرسشِ اعمال کیسی؟ اسے حجاج نے قتل کر دیا تھا۔ اس کے بعد ابو مروان غیلان بن مروان الدمشقی (۱۲۵ھ) نے اس کے مشن کو جاری رکھا۔ اسے خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے موت کی سزا دی۔

جعد جعد بن درہم (۱۲۴ھ) حران کا باشندہ اور فلاسفۂ حران کا شاگرد تھا۔ یہ صفاتِ الٰہی کا منکر اور نظریۂ خلقِ قرآن کا خالق تھا۔

جہم جہم بن صفوان (۱۲۸ھ) ترمذ کا رہنے والا تھا۔ جعد کا شاگرد اور اس کے افکار کا مبلغ۔ یہ انسان کو مجبور محض سمجھتا تھا۔ (الملل ص-۸۶)

اعتزال اعتزال کا بانی واصل بن الغزال (۱۳۱ھ) تھا۔ یہ حسن بصری (۱۱۰ھ) کا شاگرد تھا۔ اور اس مسئلے پر کہ آیا گناہِ کبیرہ کا مرتکب مسلمان ہے یا کافر۔ استاد سے الگ ہو گیا تھا۔ قصہ یوں ہوا۔ کہ یہ استاد سے پوچھنے لگا۔ کہ اے استادِ محترم! خوارج کے علما گناہِ کبیرہ کے مرتکب مسلمان کو کافر سمجھتے تھے۔ دوسری طرف علماء کا ایک ایسا گروہ بھی ہے جو اسے مسلمان سمجھتا ہے۔ آپ کی رائے کیا ہے؟

لیکن قبل اس کے کہ حسن بصری کچھ کہتے یہ بول اٹھا کہ کبیرہ کا مرتکب۔ نہ مومن ہے نہ کافر بلکہ دونوں کے بین بین ہے۔ یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ مسجد کے ایک ستون کے پاس جا بیٹھا اور اپنے ہم درسوں کے سامنے استاد کے خلاف تقریر کرنے لگا۔ اس پہ استاد نے فرمایا۔ اِعْتَزَلَ عَنَّا (کہ واصل ہم سے الگ ہو گیا ہے) اس پہ لوگ اسے معتزلہ کہنے لگے بعد میں اختلافِ فکر و نظر کی وجہ سے معتزلہ کے فرقے بن گئے۔ مثلاً ہذیلیہ[1] نظامیہ۔ خابطیہ وغیرہ۔ لیکن چند باتوں پہ یہ سب فرقے متفق تھے۔ مثلاً:۔

(۱) اللہ قدیم ہے اور اس کی صفات یعنی علم۔ قدرت۔ حیات وغیرہ عینِ ذات ہیں۔ یعنی وہ عالم بذاتہ اور قادر بذاتہ ہے اگر ہم ان صفات کو ذاتِ باری سے الگ فرض کریں اور ساتھ ہی انہیں قدیم مانیں۔ تو اس سے شرک کی بُو آنے لگے گی۔

---

[1] ان فرقوں کے عقائد اور پوری تفصیل میری تصنیف "فلسفیانِ اسلام" میں دیکھیئے۔

(ب) کہ اللہ کا کلام حادث و مخلوق ہے۔

(ج) کہ آخرت میں بھی ہم اللہ کو نہیں دیکھ سکیں گے۔

(د) کہ بندہ اپنے افعال کا خالق خود ہے اور اسی بنا پر وہ جزا و سزا کا مستحق ہوگا۔

(ہ) کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب، اگر توبہ نہ کرے تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

(و) کہ اللہ کا ہر فعل بندے کی بہتری کے لئے ہوتا ہے اور دُکھ بھی ایک نعمت ہے۔

(ز) کہ اللہ تمثیل و تشبیہ سے مبرّا ہے۔

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (شوریٰ-۱۱)

اس کائنات میں کوئی چیز اللہ جیسی نہیں ہے)

(ح) کہ اللہ کی طرف ظلم و شر کی نسبت کفر ہے۔ (الملل ص۴۳)

امام ابن تیمیہ نے ان فرقوں کی تردید میں کئی کتابیں لکھیں۔ مثلاً۔

ا۔ العقیدۃ الحمویّۃ۔

ب۔ تعارض العقل والنّقل۔

ج۔ اقوم ما قیل فی القضاء والقدر۔

د۔ الحجج العقلیۃ فی الرّد علی الجہمیّۃ۔

ہ۔ اثبات الرّد علی القدریہ والجبریّۃ۔

فتنۂ خلقِ قرآن یہ فتنہ یوں پیدا ہُوا کہ ایک دفعہ خلیفہ مامون الرّشید (۱۹۸-۲۱۸ھ) کے دربار میں علمی مسائل پر بحث ہو رہی تھی کہ ایک عیسائی عالم اٹھا اور اس نے کہا کہ جب مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق اللہ کا کلام غیر مخلوق و قدیم ہے تو عیسیٰ بھی غیر مخلوق و قدیم ہونا چاہیئے کیونکہ قرآن نے اسے کلمہ کہا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ (عمران-۴۴)

(اے مریم۔ اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا)

اس دلیل نے تمام حاضرین کو چکرا دیا اور خود مامون بھی جو ایک بلند پایہ عالم تھا سوچ میں پڑ گیا اس سے بعض معتزلی علماء مثلاً مامون کے استاد بشر بن غیاث المریسی (۲۱۸ھ)

اور قاضیٔ دربار احمد بن ابی داؤد (م ۲۴۰ھ) نے مامون کو خلقِ قرآن کا درس دیا۔ وہ نہ صرف اس بات پہ ایمان لے آیا بلکہ ۲۱۸ھ میں نائب بغداد اسحاق بن ابراہیم بن مصعب الخزاعی کو رَقّہ سے لکھا کہ اِردگرد کے علماء اور خصوصاً قضاۃِ سلطنت کے عقائد کا امتحان لو اور ان میں سے جو شخص خلقِ قرآن کا قائل نہ ہو اُسے سزا دو۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) اور تین دیگر علماء[1] کے سوا باقی سب نے اس عقیدے کو مان لیا۔ ان چاروں کو زندان میں ڈال دیا گیا ان میں سے دُو تو دو دن میں جُھک گئے تیسرا فوت ہو گیا اور ابن حنبلؒ تین برس تک جیل میں رہے۔ انہیں کوڑوں سے بے محابا پیٹا گیا لیکن وہ نہ مانے اور بالآخر لاعلاج سمجھ کر انہیں رہا کر دیا گیا۔

امام ابن تیمیہ نے اس مسئلہ پہ کئی کتابیں لکھی ہیں اور بدلائل واضح کیا ہے کہ اللہ کا کلام یعنی قرآن غیر مخلوق ہے۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں:-

ا۔ جواب مسئلۃ القرآن ھَلْ ھُوَ حرفٌ و صوتٌ۔

ب۔ رسالۃ فی القرآن۔

ج۔ رسالۃ فی حقیقہ الکلام الالٰہی۔

د۔ قاعدۃ فی القرآن وَ کلام اللّٰہ۔

امام کی ان تحریرات کا خلاصہ یہ ہے:-

"اللہ کا کلام قدیم ہے لیکن وہ جب چاہتا ہے اپنی قدرت و مشیّت کے مطابق بولنے لگتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خدا کا تکلّم آواز کے ساتھ ہوتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی آواز بھی قدیم ہے۔ (مجموعۃ الرسائل والمسائل۔ لابن تیمیہ۔ ج ۳۔ ص ۱۵۶)

غالباً امام ابن تیمیہ کی مراد یہ ہے کہ اللہ کی صفتِ کلام تو قدیم ہے لیکن اس کا تکلم (موقعہ بموقعہ بولنا) قدیم نہیں۔ بہرحال قرآن کی قدامت اور اس کے حدوث کی بحث نہایت دقیق مباحث میں سے ہے جسے سمجھنے والے آج بہت کم ہیں۔ اور صحیح تر یہ کہ ہیں ہی نہیں۔

---

[1] محمد بن نوح العجلی جندلیساپوری۔ حسن بن حماد۔ اور عبیداللہ بن عمر القواریری۔

اشاعرہ و ماتریدیہ

اشاعرہ۔ ابوالحسن بن علی الاسماعیل الاشعری بصری (۳۲۴ھ) کے پیرو تھے۔ آپ نسباً یمن کے ایک قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتے تھے حضرت ابوموسیٰ اشعری (۴۲ھ) بھی اسی سے متعلق تھے۔ جب متوکل عباسی (۲۳۲۔۲۴۸ھ) کے زمانے میں معتزلیوں کا زور ٹوٹا تو علمار متکلمین آگے بڑھے۔ ان میں ابوالحسن اشعری اور ابومنصور ماتریدی (۳۳۲ھ) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ابتداء میں اشعری معتزلہ تھے۔ شیخ ابوعلی محمد بن عبدالوہاب الجبائی معتزلی (۲۹۵ھ) کے شاگرد بعد میں تائب ہو کر معتزلوں کے خلاف بولنے اور لکھنے لگے۔ اس سلسلہ میں آپ کی دو کتابیں یعنی کتاب الابانہ اور مقالات الاسلامیین بہت شہرت رکھتی ہیں۔

ماتریدی کا تعلق سمرقند کی ایک نواحی بستی ماترید سے تھا۔ آپ فقہ حنفی کے جید عالم اور علم کلام میں بڑی شہرت کے مالک تھے۔ آپ نے معتزلہ کے رد میں ایک کتاب "اوہام المعتزلہ" کے عنوان سے لکھی تھی۔ خراسان کے علمار آپ کو مجتہد سمجھتے تھے۔ اشاعرہ و ماتریدیہ میں بعض مسائل کے متعلق اختلاف تھا۔ کوئی ان اختلافات کی تعداد ۱۳ بتاتا ہے اور کوئی ۴۰۔ ان کا سب سے بڑا اختلاف جبر و اختیار کے متعلق تھا۔ اشاعرہ انسان کو مجبور سمجھتے تھے اور ماتریدیہ مختار (شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ ص ۳۶۳) چونکہ ماتریدی کے پیروؤں میں کوئی باقلانی یا غزالی نہیں تھا۔ اس لئے اس کے نظریات کو زیادہ فروغ نصیب نہ ہوا۔ دوسری طرف اشعری مسلک کو مقبول بنانے میں علمائے ذیل نے حصہ لیا۔

ا۔ قاضی ابوبکر محمد بن الطیب بن الباقلانی (۴۰۳ھ)

ب۔ ابوبکر محمد بن الحسن الانصاری الاصفہانی (۴۰۶ھ)

ج۔ ابواسحاق ابراہیم بن محمد الاسفرائینی (۴۱۸ھ)

د۔ امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ الجوینی (۴۷۸ھ) یہ امام غزالی (۵۰۵ھ)

لہ ۲۱۲ھ میں مامون نے اعتزال قبول کیا تھا۔ اس کے بعد معتصم (۲۱۸-۲۲۷ھ) اور واثق (۲۲۷-۲۳۲ھ) اسی نہج پر قائم رہے۔ متوکل کا زمانہ آیا تو اس نے معتزلوں کو دربار سے نکال دیا۔

کے استاد تھے

۴۔ امام فخر الرازی (۶۰۶ھ)

ابن تیمیہ کو ان علماء کے بعض نظریات سے اختلاف تھا چنانچہ آپ نے شرح العقیدہ الاصفہانیہ۔ تعارض العقل والنقل۔ رسالہ فی عقیدۃ الاشعریۃ والماتریدیۃ۔ اور دیگر رسائل میں ان سب پر تنقید کی ہے۔ ابوالحسن اشعری پہ اس لئے کہ وہ حنابلہ کو تجسیم کا قائل سمجھتے تھے (اور ابن تیمیہ۔ امام ابن حنبل سے بڑی عقیدت رکھتے تھے) غزالی پہ اس لئے کہ غزالی علوم فلسفہ پہ گفتگو کرتے وقت بُو علی سینا (۴۲۸ھ) پہ بہت اعتماد کرتے تھے۔ (شرح العقیدہ الاصفہانیہ ص۱۱) اور رازی پہ اس لئے کہ وہ ہر بات کو منطق و معقول کے زور سے حل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

تصوف تصوف کا مقصد اللہ کی عبادت سے رُوح کی تمام آلائشوں کو دھونا ہے اور یہ ایک اچھی چیز ہے لیکن آج کی طرح ابن تیمیہ کے زمانے میں بھی کچھ معیوب چیزیں تصوف میں راہ پا گئی تھیں۔ صوفیا کا ایک طبقہ صوم وصلوٰۃ اور دیگر ارکانِ شریعت کو غیر ضروری سمجھتا تھا۔ ایک اور طبقہ کرامات کی نمائش کو مقصدِ عبادت ٹھہراتا تھا۔ کچھ رہبانوں کی طرح نفس کشی کو ذریعہ معرفت سمجھتے تھے۔ ابنِ عربی (۶۳۸ھ) کے پیرو وحدت الوجود کے قائل تھے۔ وہ کہتے تھے کہ کائنات میں صرف ایک ہستی (خدا) کا وجود ہے اور یہ حیوانات۔ نباتات اور جمادات وغیرہ اسی کے مظاہر ہیں۔ چونکہ امام کے نزدیک رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا راستہ ہی صحیح راستہ تھا اس لئے آپ نے صوفیا کے تمام گروہوں پہ تنقید کی۔ پیروانِ ابنِ عربی کے متعلق ایک مقام پہ فرمایا۔

"ان لوگوں کے عقائد اس بنیاد پہ قائم ہیں کہ تمام مخلوقاتِ عالم مثلاً جن۔ شیطان۔ کافر۔ فاسق۔ کتا۔ سؤر وغیرہ خدا کا عین ہیں۔ یہ سب چیزیں مخلوق ہونے کے باوجود ذاتِ خداوندی سے متحد ہیں اور یہ کثرت جو نظر آرہی ہے فریبِ نظر ہے....." (رسالہ حقیقۃ مذہب الاتحادین ص۱۶)

امام نے اسی رسالے میں ابن عربی کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

اَلرَّبُّ حَقٌّ وَالعَبۡدُ حَقٌّ
یَا لَیۡتَ شِعۡرِیۡ مَنِ المُکَلَّفُ

ترجمہ: (رب بھی خدا ہے اور انسان بھی خدا ہے۔ کاش! مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ان میں سے مکلف (یعنی دوسرے کو احکام کی پابندی کا حکم دینے والا) کون ہے؟

بعض صوفیاء کے ہاں اتحاد یا وحدت الوجود سے مراد اللہ کی ذات میں فنا ہوجانا ہے۔ امام کے ہاں فنا کے تین درجے ہیں:۔

اوّل: مناہی کو ترک کر کے امر کی تعمیل میں ڈوب جانا۔

دوم: عبادت کرتے کرتے اللہ کی ذات میں فنا ہونا۔

سوم: اپنے آپ کو عین خدا سمجھنا۔

امام کے ہاں پہلی صورت محمود ہے اور باقی دونوں مذموم۔ کیونکہ ان کی تائید نہ تو حضورؐ کے کسی قول سے ہوتی ہے اور نہ فعل سے۔

آپ نے تصانیف ذیل میں تصوّف کے مختلف سلسلوں پہ تنقید کی ہے۔

ا۔ الحجج العقلیۃ فی الرّد علی الجہمیّۃ والصّوفیۃ۔

ب۔ رسالۃ فی الذوق والوجد الّذی یذکرہ الصّوفیّۃ

ج۔ قاعدۃ فی الرّد علی اہل الاتّحاد۔

د۔ السبعینیۃ۔

ہ۔ قاعدۃٌ فی الشّیوخ الاحمدیۃ۔

و۔ الفرق بین الخلوۃ الشرعیۃ والبدعیۃ۔

ز۔ تحریم السّماع۔

ح۔ قاعدۃ فی بیان طریقۃ القراٰن۔

ط۔ قاعدۃ فی السیاحۃ والعزلۃ و فی الفقر والتصوّف۔ (وغیرہ وغیرہ)

شیعی فرقے

اہلِ سنّت کی طرح شیعانِ علیؓ بھی بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے تھے اور ان میں سے بیشتر صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے تھے۔ امام نے فرقہائے

ذیل کو خصوصیت سے ہدفِ تنقید بنایا ہے۔

د۔ زیدیہ : یعنی زید بن علی بن حسین بن علیؓ کے پیرو جو امامت کو صرف آلِ فاطمہؓ کا حق سمجھتے تھے۔ زید واصل بن عطار (۱۳۱ھ) کا شاگرد تھا۔ اس کے بنیادی اصول یہ تھے کہ

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں بہترین تھے۔

۲۔ کہ امامت صرف آلِ فاطمہؓ کا حق ہے۔

۳۔ کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ متقی۔ فیاض اور عالم باعمل ہو۔

۴۔ کہ وہ امامت کا مدعی ہو اور عوام کو اپنی امامت کی دعوت دیتا ہو۔

زید کے بھائی محمد بن علی الباقر کو اس آخری شق سے اختلاف تھا۔ وہ کہتے تھے کہ امام بہر رنگ امام ہے خواہ وہ امامت کا مدعی و داعی ہو یا نہ ہو۔ (الملل۔ ج۔ ۱۔ ص ۱۵۴)

ب۔ کیسانیہ۔ یہ حضرت علیؓ کے ایک مولیٰ کیسان کے پیرو تھے۔ یہ محمد بن حنفیہ کو عیسیٰ کی طرح زندہ اور مہدیِ منتظر سمجھتے تھے۔ یہ حلول و تناسخ کے قائل تھے اور ان کے ہاں کسی نیک آدمی کی اطاعت کا نام ہی دین تھا۔ (الملل۔ ج۔ ۱ ص ۱۴۷)

ج۔ اسماعیلیہ؛ حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک فرزند اسماعیل کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ لیکن یہ حضرت جعفرؓ کی حیات ہی میں فوت ہو گئے تھے اس پہ شیعانِ اہلِ بیت دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک وہ جو اسماعیل ہی کو امام سمجھتے رہے۔ یہ اسماعیلیہ کہلاتے تھے۔ دوسرے وہ جو حضرت موسیٰ کاظمؓ (۱۸۳ یا ۱۷۳) کو امام سمجھتے تھے۔

د۔ باطنیہ۔ جب خلفائے عباسیہ کی سخت گیری سے اسماعیلیہ اِدھر اُدھر بھاگ گئے تو انھوں نے اپنا نام بدل لیا۔ یہ عراق میں قرامطہ کہلانے لگے اور خراسان میں تعلیمیہ انھوں نے ارکانِ اسلام کی عجیب عجیب تاویلات کیں مثلاً۔

ملائکہ سے مراد ان کے امام۔

شیاطین " " " مخالفین۔

صلوٰۃ " " " امام کی محبت۔

صوم " " " گناہ سے اجتناب۔

حج سے مراد انکے ہاں زیارتِ امام تھی۔
ان کے ہاں بہن اور بیٹی سے نکاح جائز تھا اور یہ شراب کو حلال سمجھتے تھے۔
(محمود بشیتی، الفرق الاسلامیہ۔ طبع مصر ۱۹۳۲ء۔ ص ۵۹)

۴۔ نصیریہ۔ یہ محمد بن نصیر النمیری کے پیرو تھے جو حضرت حسن عسکری (۲۶۰ھ) کو خدا اور اپنے آپ کو ان کا بھیجا ہوا نبی سمجھتا تھا۔ یہ تناسخ کا بھی قائل تھا۔ اور مرد سے مرد کا نکاح جائز قرار دیتا تھا۔ (الملل۔ ج۔ ۱۔ ص ۱۸۵)

امام نے ان تمام فرقوں کے ردّ میں کئی کتابیں لکھیں۔ مثلاً
۱۔ مِنہاجُ السُّنّۃ: یہ چار جلدوں میں ایک ضخیم کتاب ہے جو غالباً ۷۱۶ھ میں لکھی گئی تھی۔ اس میں شیعہ اور قدریہ کی تعلیمات پر تنقید کی ہے۔ علامہ ذہبی ۷۴۸ھ نے المنتقیٰ من منہاج الاعتدال کے نام سے اس کا ایک خلاصہ تیار کیا تھا۔ امام نے یہ کتاب اس دَور کے ایک شیعی عالم شیخ جمال الدین بن المطہر الحلی (۷۲۶ء۔ زندہ) کی ایک کتاب منہاج الکرامہ فی معرفۃ الامامۃ کے جواب میں لکھی تھی۔
۲۔ قاعدۃٌ فی التدمیریہ۔
۳۔ کتابٌ فی الرّدِ علیٰ رافضۃ کِسرُوان۔
۴۔ علم الظاہر والباطن۔
۵۔ کتابٌ فی فضائل ابی بکر و عُمر۔ وغیرہ۔

لفظ "فلسفہ" کے لغوی معنی ہیں:

فلاسفہ حُبِّ دانش۔ تلاشِ حقیقت اور فکر و تجربہ سے اصول اخذ کرنا۔

فلسفہ کو سب سے پہلے یونان میں فروغ حاصل ہوا۔ یونانی فلاسفہ کے تین طبقے تھے۔
اوّل۔ دہریہ۔ جو وجودِ خدا کے منکر تھے۔
دوم۔ طبیعی۔ جو کائنات۔ عناصر۔ نور و ظلمت۔ تغیّر اور حرکت پہ بحث کرتے تھے۔ انمیں قابلِ ذکر طالیس (۶۰۰ ق م) ذی مقراطیس (۴۷۰ھ) یبُوسی لِس۔ (۴۶۰ ق م) اور ہراقلیطوس (۵۳۵ھ)

طالیس کہتا تھا کہ سب سے پہلے زمین پہ پانی نمودار ہوا۔ اس کے بعد نباتات آئے اور آخر میں حیوانات۔ ذی مقراطیس کا نظریہ یہ تھا کہ کائنات کی ترکیب باریک غیر منقسم اجزا سے ہوئی تھی۔ لیوسی پس۔ اس کا ہم نوا تھا۔ ہراقلی تیوسس آگ کو کائنات کا بنیادی عنصر قرار دیتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ لطیف ہو تو نور کہلاتی ہے اور کثیف ہو تو خاک و آب کی صورت اختیار کر لیتی ہے سوم: الٰہی۔ جن کا موضوع خدا و صفات تھا مثلاً فیثا غورث (۵۸۲ ق م) ۔ اس کی تعلیمات مہاتما بدھ سے ملتی جلتی تھیں۔ زینیو (۴۳۰ ق م) فلسفیانِ یونان میں پہلا موحد تھا۔ انکسا غورس (۴۶۰ ق م) خدا کو کائنات میں یوں ساری سمجھتا تھا۔ جیسے روح بدن میں اور تمام مظاہر کو خدا کا پرتو قرار دیتا تھا۔ سقراط (۲۹۹ ق م) کے ہاں رب کا عرفان عرفانِ نفس کے بغیر محال تھا۔

فلسفیانِ یونان کے بنیادی عقائد اگر ہم فلسفہ یونان کا بالاستیعاب مطالعہ کریں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یونانی فلسفیوں کے بنیادی عقائد یہ تھے:

۱۔ خدا بسیط ہے۔ اور صرف ایک چیز یعنی عقلِ اوّل کا خالق ہے۔ اگر ہم اسے ایک سے زیادہ اشیاء کا خالق سمجھیں تو بحیثیت خالق اس کی نسبت متعدد مخلوق اشیاء سے ہو جائے گی اور وہ منقسم ہو جائے گا۔

۲۔ چونکہ عقلِ اوّل مخلوق بھی ہے اور صفتِ خلق سے آراستہ بھی۔ اس لئے اس نے ان دونوں حیثیتوں سے کام لیا اور دو چیزیں پیدا کیں۔ فلکِ اوّل۔ اور عقلِ ثانی۔ عقلِ ثانی نے فلکِ دوم اور عقلِ ثالث کو خلق کیا۔ یہ سلسلہ عقلِ عاشر تک جا پہنچا اور اس نے ساری کائنات کو پیدا کیا

۳۔ خدا تمام صفات سے معرا ہے۔

۴۔ روح فانی ہے۔

۵۔ حشرِ اجساد کا عقیدہ باطل ہے

۶۔ معجزات کی کوئی حقیقت نہیں۔

۷۔ آسمان حیوان کی طرح جاندار ہے

۸۔ خلا محال ہے۔

مسلم فلسفی جب عہدِ مامون میں یونانی فلسفہ دنیائے اسلام میں داخل ہوا تو رفتہ رفتہ یہاں کئی طبقے پیدا ہو گئے۔

اوّل، وہ جن کی مساعی یونانی فلسفہ کی تشریح تک محدود رہیں مثلاً ابوبکر رازیؒ ملّا صدرا شیرازی (۱۶۴۰ء) وغیرہ۔

دوم، جو اس فلسفے کی تشریح بھی کرتے رہے اور اس پہ تنقید بھی مثلاً کِندی ۸۵۰ء فارابی (۹۵۰ء) سینا (۱۰۳۷ء) اور ابنِ ماجہ (۱۱۳۸ء)۔

سوم، وہ جنہوں نے اس فلسفے پہ سخت تنقید کی اور ساتھ ہی دنیا کو ایک ایسا جاندار دیا جس کی بنا الہام پہ تھی۔ ان میں سرِ فہرست غزالی (۱۱۱۱ء) اشعری (۹۴۲ء) اور امام ابنِ تیمیہ (۱۳۲۸ء) ہیں۔

ابنِ تیمیہ نے فلاسفہ کی تردید میں کئی کتابیں لکھیں مثلاً

۱۔ الرّد علی فلسفۃِ ابن رُشد۔

۲۔ فی اثباتِ المعاد۔

۳۔ تعارض العقل والنّقل۔

۴۔ جوابٌ فی قولِ بعض الفلاسفۃ۔ انّ معجزاتِ الانبیاء قوی نفسانیۃ۔

۵۔ رسالۃٌ فی العرشِ والعالم ھل ھُوَ کُرَوِیّ الشکل ام لا۔

۶۔ الرّد علی الفلاسفۃ۔ (چار جلد)

۷۔ قاعدۃٌ فی ابطالِ قولِ الفلاسفۃ بقدمِ العالم۔

۸۔ قاعدۃ فی مایتناھی وما لا یتناھی۔

۹۔ قاعدۃ فی الواحد لایصدر عنہ اِلّا الواحد۔

۱۰۔ کتابٌ فی الرّد علی المنطق۔

۱۱۔ کتابُ الکلام علی ارادۃِ اللّٰہ وقدرتہٖ۔

۱۲۔ کتابُ ابطالِ قولِ الفلاسفۃ باثباتِ الجواھر العقلیۃ۔

۱۳۔ مسئلۃ فی العقل والرّوح۔

۱۴۔ الرّد علی المنطقیین۔

۱۵۔ کتاب فی نقض المنطق۔ (وغیرہ وغیرہ)

امام کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مطالعۂ ارسطو سے مَیں اس نتیجہ پہ پہنچا ہوں کہ یہ شخص اللہ سے مطلق نا آشنا تھا۔ یہی حال باقی فلسفیوں کا ہے۔ ان کی حیثیت انبیاء کرام کے مقابلے میں وہی ہے جو ملائکہ کے سامنے گنوار دیہاتیوں کی۔ (الرّد علی المنطقیین ص۳۹۵)

۲۔ یونان کے فلسفی بت پرست تھے ان میں سے فیثا غورث۔ سقراط۔ اور افلاطون کے عقائد قدرے بہتر تھے۔ کیونکہ یہ تینوں ارضِ انبیاء یعنی شام کا سفر کر چکے تھے اور آسمانی تعلیمات سے کسی حد تک آشنا تھے۔ لیکن ارسطو اس طرف کبھی نہیں آیا۔ اس لئے اس کے عقائد میں کجی تھی (نقض المنطق ص۱۱۳)

۳۔ ولکن ھٰذہ الفلسفۃ التی یسلکھا الفارابی وابن سینا وابن رشد والسّھروردی المقتول ونحوہ فلسفۃ المشائین وھی المنقولۃ عن ارسطو۔ (الاستغاثۃ المعروف الرّد علی البکری ص۲۰۶)

(فارابی۔ سینا۔ ابن رشد۔ اور سہروردی مقتول کا فلسفہ مشائین[1] کا فلسفہ ہے جو ارسطو سے ماخوذ ہے) اور ارسطو کے متعلق امام کی رائے اُوپر گذر چکی ہے

۴۔ یہ فلسفی ایک ایسے خدا کو مانتے ہیں جو تمام صفات سے معرا ہے۔ یہ خدا ان کے ذہن ہی میں ہو سکتا ہے خارج میں اس کا کہیں وجود نہیں (منہاج السنۃ ج۱۔ ص۱۱۲)

۵۔ ہمارے بعض جعل سازوں نے اس یونانی عقیدہ۔ کہ اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا تھا۔ کے مطابق ایک حدیث تراش لی کہ۔

---

[1] یہ لفظ مشی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں 'چلنا'، چونکہ یہ لوگ درس دیتے وقت چلتے رہتے تھے اس لئے 'مشائین' کے نام سے مشہور ہو گئے۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ

(اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا تھا)

یہ حدیث موضوع ہے اور تیسری صدی ہجری میں گھڑی گئی تھی۔ (السبعینیہ ص۲۹)

۶۔ یونانی فلسفی نبوۃ کے مفہوم سے ناآشنا تھے اور انسان کی اصلاح کے لئے صرف ایک برتر ہستی کے قائل تھے۔ ان کے فلسفے کا سب سے بڑا ترجمان بوعلی سینا تھا جو نبی کے تین اوصاف پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نبی کا علم آسمان سے نہیں آتا بلکہ اس کے باطن سے ابھرتا ہے۔ وہ غیر محسوس اشیاء کو دیکھ سکتا ہے اور عناصر میں تصرف کر کے معجزات دکھاتا ہے۔ امام ان تصریحات کو جاہلانہ قرار دیتے ہیں (کتاب النبوۃ۔ ص۲۴۰)

۷۔ انسان اللہ کا خلیفہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ یہ ان تمام صفات سے جزواً آراستہ ہو جو ذاتِ الٰہی میں کاملاً پائی جاتی ہیں۔ اگر اللہ سے اس کی صفات سلب کر لی جائیں تو پھر وہ ایک ذہنی تصور رہ جاتا ہے جس کا رشتہ انسانی اعمال سے کٹ جاتا ہے۔

(الردّ علی المنطقیین، ص۲۵۴)

۸۔ منطق کے متعلق فرماتے ہیں:۔

اِعلم اَنَّ المنطق الیونانی لا یحتاج

الیہ الذکیّ ولا ینتفع بہٖ البلید

(الرد علی المنطقیین)

ترجمہ: (تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک ذہین کو یونانی منطق کی ضرورت نہیں اور کند ذہن کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا)

امام کی کتابیں اس نوع کی تصریحات سے بھری پڑی ہیں لیکن ہم اسی پہ اکتفا کرتے ہیں۔

فقہ اور امام ابن تیمیہؒ

فقہ میں امام کا راستہ دیگر علماء سے الگ تھا۔ دیگر علماء ہر معاملہ میں اپنے امام کا قول تلاش کرتے ہیں لیکن ابن تیمیہ سب سے پہلے کتاب اللہ کو دیکھتے پھر حدیث سے استدلال کرتے اور ان کے بعد آئمہ کی باری آتی گو امام خود حنبلی تھے لیکن اقوالِ آئمہ میں سے صرف انہی کو ترجیح دیتے تھے جو انہیں قرآن و حدیث

کے قریب تر معلوم ہوتے تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مفتی کسی ایسے قول کی تائید کرتا ہے جو اس کے امام کے مسلک کے خلاف ہو تو وہ گویا اپنے امام ہی کی پیروی کر رہا ہوتا ہے کیونکہ ہر امام نے یہی کہا تھا کہ جب کسی کو کوئی صحیح حدیث مل جائے تو وہ ہمارے فیصلے کو مسترد کر دے (اعلام الموقعین۔ جلد ۴۔ صفحہ ۲۰۷)

ایک اور مقام پہ فرماتے ہیں

ولا یجب علیٰ احد من المسلمین التزام

مذھب شخص معین غیر الرسول صلعم

(فتاویٰ ابن تیمیہ۔ ج ۲۔ ص ۳۸۷)

ترجمہ: کسی مسلمان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ رسول اللہ صلعم کے سوا کسی اور شخص کے مذہب کو لازمی خیال کرے۔

آپ تمام آئمہ۔ فقہ کو برابر سمجھتے تھے اور لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ وہ کسی ایک امام کو دوسرے پہ ترجیح نہ دیں کہ اس سے اختلاف پیدا ہوتا ہے (فتاویٰ۔ ج ۱۔ ص ۲۰۴)

اجتہاد امام کی فقہی آراء چار قسم کی ہیں۔

اول: وہ جو امام حنبل کے فیصلوں کے مطابق ہیں۔

دوم: دیگر فقہی مذاہب کے مطابق۔

سوم: جو کسی فقہی مکتب کے مطابق تو نہیں لیکن سنت کے مطابق ہیں۔

چہارم: وہ اجتہادات جو اہلِ سنت کے تمام فقہی مذاہب کے خلاف ہیں مثلاً:

۱۔ مسجدِ حرام۔ مسجدِ نبویؐ اور مسجدِ اقصیٰ کے سوا کسی اور مسجد۔ مشہد یا مقبرہ کی طرف سفر کرنا جائز نہیں۔

۲۔ زکوٰۃ۔ ماں۔ باپ۔ دادا اور اولاد کے علاوہ ان ہاشمیوں پہ بھی صرف ہو سکتی ہے جنہیں خمس نہ ملے (الاختیارات العلمیہ۔ ص ۶۱)

۳۔ چونکہ مکہ طاقت سے فتح ہوا تھا اس لئے وہاں کی تمام غیر منقولہ جائداد حکومت کی ملکیت ہے اور صرف حکومت ہی کو اس کے بیچنے یا کرائے پہ چڑھانے کا اختیار ہے (اختیارات ص ۱۲۹)

۴۔ طلاق کی یہ تین صورتیں ناجائز ہیں :

و۔ زوجہ کو حیض کی حالت میں طلاق دینا۔

ب۔ ایک طُہر یا ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں۔

ج۔ حیض کے بعد۔ بعد از مباشرت طلاق دینا۔

امام کے ہاں طلاق کی جائز صورت یہ ہے کہ شوہر زوجہ کو حیض سے فارغ ہوتے ہی طلاق دے اور اختتامِ عدّت تک اس کے قریب نہ جائے۔ عدّت کے خاتمہ پہ اگر شوہر چاہے تو دوبارہ نئے مہر کے بغیر نکاح کر سکتا ہے۔ اگر اس کے بعد دوبارہ ان میں ناچاقی ہو جائے تو پھر اسی طرح طلاق دے۔ اور اگر چاہے تو خاتمۂ عدّت کے بعد پھر نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر وہ تیسری دفعہ طلاق دے تو پھر یہ ایک دوسرے سے مستقلاً جُدا ہو جائینگے اور ان کا چوتھا نکاح اسی صورت میں ہو سکے گا کہ بیوی کسی اور کی زوجیت میں رہ چکی ہو۔

(فتاویٰ۔ ج۔۳۔ ص۔ ۳۶)

۵۔ سجدۂ تلاوت کے لئے وضو ضروری نہیں۔

امام بخاریؒ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے بھی یہی ہے (کواکب۔ ص۱۸۴)

د۔ جو آدمی بے عُذر روزہ نہ رکھے یا نماز نہ پڑھے تو وہ قضا سے تلافی نہیں کر سکتا

امام بخاریؒ اور ابنِ مسعودؓ کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ (کواکب ص۱۸۵)

ز۔ عُمرہ میں صفا و مروہ کے درمیان صرف ایک دوڑ کافی ہے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے۔ (ایضاً)

ح۔ بعض حالات میں حائضہ بھی طوافِ کعبہ کر سکتی ہے۔ (ایضاً)

ط۔ آپؒ بعض مقامات پہ دو نمازیں جمع کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ (ایضاً)

ی۔ سفر کسی قسم کا ہو۔ چھوٹا ہو یا لمبا۔ اس میں قصرِ صلوٰۃ جائز ہے۔

ک۔ حلفِ طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

حلف طلاق

ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں۔ حَلَفَ الرّجل فقال الحرام یلزمنی لوافعل کذا۔ والحل علی حرام لوافعل کذا۔ اوما احلّ اللہ علیّ حرام ان فعلتُ کذا۔ او ما یم ام...

المسلمین یحرم علی ان فعلت کذا۔ وله زوجة. ففی هذا المسئلة نزاع مشهور بین السلف والخلف ولکن القول الراجح ان هذا یمین من الایمان لا یلزم بها الطلاق۔"

ترجمہ: ایک آدمی قسم کھاتا ہے کہ اگر میں یوں کروں تو مجھ پہ حلال حرام ہو جائے یا اگر میں یوں نہ کروں تو مجھ پہ حلال حرام ہو جائے یا ہر وہ چیز جو مسلمان پہ حلال ہے مجھ پہ حرام ہو جائے۔ ایسا شخص شادی شدہ ہے اور اس کی بیوی موجود ہے تو کیا وہ بیوی اس پہ حرام ہو جائے گی؟ اس مسئلہ پہ علماء کا اختلاف ہے لیکن قولِ راجح یہ ہے کہ یہ ایک طرح کی قسم ہے جس سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہاں کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ)

ل: حاجات میں انبیاء سے توسل جائز نہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پہ بہت سے علماء نے اپنی رائے دی ہے ان میں سے کچھ موافق ہیں اور کچھ مخالف۔

موافقین و مخالفین میں سے چند علماء کے اقوال درج ذیل ہیں:-

موافقین

(۱) علامہ قسطلانی شارح بخاری فرماتے ہیں۔

"وینبغی للزائر ان یکثر من الدعاء والتضرع والاستغاثة بالانبیاء۔ والتشفع والتوسل به صلعم"

ترجمہ: زائر کو چاہیئے کہ دعا و عبادت میں انبیاء سے استعانت کرے اور رسول اللہ کو وسیلہ بنا کر آپ کی شفاعت کا طالب ہو۔[1]

(۲) سمہودی کہتے ہیں۔[2]

"التوسل والتشفع به صلعم وبجاهه وببرکته من سنن المرسلین۔"

ترجمہ: رسول اللہ کی ذاتِ گرامی کو وسیلہ بنا کر اعانت طلب کرنا سنتِ انبیاء ہے۔

(۳) ابن الجزری شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد الجزری (۸۳۳ھ) فرماتے ہیں۔

"ان من اداب الدعاء ان یتوسل الداعی الی الله بانبیائه۔"[3]

ترجمہ: آدابِ دعا میں سے ایک یہ ہے کہ حاجتمند انبیاء کو وسیلہ بنائے۔

---

[1] المواہب اللدنیہ۔

[2] تاریخ مدینہ (خلاصۃ الوفا)۔

[3] الحصن الحصین۔

مخالفین

(۱) امام مالک (۱۷۹ھ)

"لا اری ان یقف الزائر عند قبر النبی ویدعو ولکن یسلم ویمضی۔"

ترجمہ: زائر کے لئے جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ صلعم کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگے اسکا فرض اتنا ہی ہے کہ السلام علیکم کہے اور چلتا بنے۔

(۲) انس بن مالکؓ (۹۱ھ) اور چند دیگر صحابہؓ سے رسول اللہؐ پہ دعا و سلام مروی ہے لیکن وہ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں:

"ولا یدعون وھم مستقبلو القبر"

ترجمہ: قبر رسولؐ اللہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا درست نہیں۔

(۳) امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) فرماتے ہیں۔

"یستقبل القبلۃ ویستدبر القبر الشریف"

ترجمہ: داعی دعا کے وقت قبلہ رُخ ہو اور پشت قبر کی طرف ہو

(۴) شیخ عبد القادر گیلانیؒ (۵۶۱ھ) فرماتے ہیں[1]

"واقل ما فی الرضا ان یقطع طمعہ عما سوی اللہ"

ترجمہ: درجۂ رضا حاصل کرنے کے لئے کم از کم یہ کرنا چاہیئے کہ انسان ماسوی اللہ سے تعلقات منقطع کرلے۔

(۵) یحییٰ بن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات مقدس میں یہ آیت دیکھی۔

"ملعونٌ من کان ثقتہ بمخلوق مثلہ"

ترجمہ: وہ انسان ملعون ہے جو اپنے جیسی مخلوق پر اعتماد رکھتا ہو۔

(۶) حدیث میں وارد ہے۔

"من اتکل علیٰ مخلوق مثلہ ذل"

ترجمہ: جس نے اپنے جیسی مخلوق پہ بھروسہ کیا۔ ذلیل ہو گیا"

---

[1] غنیۃ الطالبین۔

(۷) امام ابوحامد غزالیؒ (۵۱۱ھ) فرماتے ہیں۔

"الکریم اذا وعد وفیٰ وان رفعت حاجتہٗ الیٰ غیرہٖ لا یرضیٰ"

ترجمہ: کریم کی علامت یہ ہے کہ وہ وعدوں کو پورا کرتا ہے اور کبھی نہیں چاہتا کہ حاجات غیر اللہ سے طلب کی جائیں[1]

(۸) ابن تیمیہؒ ایک مقام پہ فرماتے ہیں۔

جب تاتاری دمشق پہ حملہ آور ہوئے تو لوگ گھبراہٹ میں قبر پہ پہنچ کر دعائیں مانگنے لگے ایک شاعر نے عوام کو حملۂ تاتار سے بچنے کی تدبیر یوں بتلائی۔

یا خائفین من التتر لوذوا بقبر ابی عمر

عوذوا بقبر ابی عمر ینجیکم من الضرر

ترجمہ: (تاتاریوں سے ڈرنے والو! ابی عمر کی قبر پہ جاکر دعائیں مانگو تمہیں نجات حاصل ہوگی) میں نے ان لوگوں سے کہا کہ جن سے تم استمداد کر رہے ہو اگر یہ آج زندہ ہوتے تو تاتاریوں کے آگے دم دبا کر بھاگ جاتے۔[2]

کتاب التوسل میں آپ مسئلہ وسیلہ و شفاعت پہ یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

"وسیلہ کیا ہے پیروی رسولؐ اور عمل صالح۔ جو لوگ عامل نہیں۔ انہیں رسول اللہؐ کی دعا تک فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ صحابہؓ نے ایک دفعہ رسول اللہؐ سے پوچھا کہ ابوطالب نے آپؐ کی بڑی حمایت کی کیا آخرت میں اسے اس کا کوئی اجر ملے گا۔ فرمایا۔

اِنّ اھون اھل النار ابوطالب

(ابوطالب کو جہنم میں کمتر عذاب ہوگا)

صحیح مسلم میں وارد ہے۔ استاذنت ربی ان استغفر لامی فلم یاذن لی

(میں نے اللہ سے اپنی والدہ کی سفارش کی اجازت طلب کی لیکن نہ ملی)

اسی طرح آنحضرتؐ نے اپنے رشتہ داروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ۔

[2] کتاب الاستغاثۃ فی الرد علی البکری۔

یافاطمۃ بنت عبدالمطلب۔ ویا بنی عبدالمطلب۔ لا املک لکم من اللہ شیئاً۔ سلونی من مالی ما شئتم۔

ترجمہ: اے فاطمہ عبدالمطلب کی بیٹی! اور اے عبدالمطلب کے بیٹو۔ یاد رکھو کہ میں تمہیں اللہ سے نہیں بچا سکوں گا۔ تم مجھ سے مال و دولت مانگ سکتے ہو اور بس)

ان اقوال سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں کسی شفاعت کی گنجائش نہیں۔ صرف اعمال صالحہ ہی بچا سکیں گے۔

ومن لقی اللہ لا یشرک بہ شیئاً فھو فی شفاعتی

ترجمہ: میں صرف اسی کی شفاعت کرونگا کہ جو اللہ کے پاس خالص توحید کی متاع لے کر پہنچا)

لفظ وسیلہ کے تین معنی ہیں:

۱۔ توسل بدعاء الرسول۔	یہ مشروع ہے
۲۔ توسل بطاعۃ الرسول۔	فرض ہے۔
۳۔ توسل بذات الرسول	یہ صورت نہ مشروع ہے۔ نہ منقول۔ کسی صحابی نے رسول کے زندگی میں یا موت کے بعد یہ نہیں کیا۔

امام ابوحنیفہ اور چند دیگر علماء نے "نسألک بحق انبیائک" کا فقرہ ممنوع و خلاف شرع قرار دیا ہے۔ علامہ قدوری فرماتے ہیں کہ خدا پر کسی بزرگ یا پیغمبر کا کوئی حق نہیں۔ ان لوگوں کی عبادت و دیگر اعمال کا اللہ پر کوئی احسان نہیں۔

ومن شکر فانما یشکر لنفسہٖ ومن کفر فان ربی غنی کریم (قرآن)

ترجمہ: جو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے اور جو احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ بے نیاز و کریم ہے)

م۔ کیا اللہ کے دست و پا ہیں؟ اگر ہیں تو کیسے ہیں؟ یہ ہے وہ سوال جس کا جواب امام ابن تیمیہ نے دیگر علماء سے قدرے مختلف دیا ہے۔ العقیدۃ الواسطیۃ میں آپ نے اپنا مذہب یوں بیان کیا ہے۔

"الایمان بما وصف اللہ بہ نفسہ وبما وصفہ بہ رسولہ من غیر تحریف ولا تعطیل ولا تکییف ولا تمثیل ..... الخ

(جو کچھ قرآن و رسول نے اللہ کے متعلق کہا ہے اس پہ بلا چون وچرا ایمان لانا)
یعنی یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنا کہ خدا کے کان اور آنکھیں کیسی ہیں۔ اس کا قد کتنا بڑا ہے ہمارے فرائض میں شامل نہیں چونکہ قرآن میں خدا کے ہاتھ پاؤں منہ وغیرہ کا ذکر آیا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ان پر ایمان لائیں اور ان کی کیفیت معلوم کرنے کی قطعاً کوشش نہ کریں۔
آپ الردّ علی النصاریٰ میں فرماتے ہیں کہ اگر خدا نے اپنی طرف ہاتھ پاؤں کی نسبت کی ہے تو یہ ایک ایسی نسبت ہے۔

یمتنع ان یدخل فیھا شیٔ من خصائص المخلوقین۔

(جس میں مخلوق کی کوئی خصوصیت شامل ہونا محال ہے۔)
ایک مقام پہ یہود کی خرافات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں،
یہود کی خرافات میں سے ایک یہ ہے۔ وہ کہتے ہیں "کہ خدا طوفانِ نوحؑ کے بعد بہت نادم ہوا اور اتنا رویا کہ اس کی آنکھیں دُکھنے لگیں۔ اور فرطِ ندامت سے اپنا ہاتھ کاٹ لیا جس سے خون ٹپکنے لگا۔"
اس کے بعد آپ فرماتے ہیں۔

"وھٰذا کفر واضح"

(یہ سب کچھ کفر صریح ہے)
تو جو انسان قائلین تجسیم کو کافر سمجھتا ہو وہ خود کیسے قائل تجسیم ہو سکتا ہے۔
امام الحرمینؒ ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ الجوینی (۴۷۸ھ) فرماتے ہیں

ان اللہ لا تشبہ شیأ من مخلوقاتہ لا فی ذاتہ ولا فی صفاتہ۔

(خدا اپنی ذات وصفات میں مخلوق میں سے کسی چیز کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا)

لہ رسالہ نظامیہ

مطلب یہ کہ اس کے ہاتھ پاؤں کان اور آنکھیں مخلوق سے مختلف ہیں اور ہم ان کی کیفیت سمجھنے سے قاصر ہیں۔

نواب صدیق حسن خان قنوجی (۱۳۰۷ھ) کہتے ہیں۔

واما ما ورد من النزول الی السماء الدنیا والقعود علی الکرسی فنو من بھا کا ولا نشتغل بکیفیتھا ولا تاویلھا۔

ترجمہ: (وہ جو حدیث میں وارد ہے کہ اللہ ہر صبح آسمان دنیا پہ اُترتا ہے اور قرآن میں ہے کہ وہ کرسی پہ بیٹھا ہوا ہے۔ یہ سب سچ ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ان چیزوں کو بلاتاویل مان لیں اور کیفیت دریافت کرنے کی کوشش نہ کریں۔

علامہ علی قاری حنفی ہروی (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

ویجب ان یجری علی ظاھرہ ویفوض امر علمہ الی قائلہ۔

ترجمہ: ہمارا فرض ہے کہ ایسی آیات کے ظاہری مفہوم پہ ایمان لائیں اور حقیقت معلوم کرنے کی کوشش نہ کریں کہ اللہ کے بغیر کسی اور کو یہ علم حاصل نہیں)

اِن حوالوں سے واضح ہے کہ خدا کے دست و پا پہ ایمان لانا تو فرض ہے لیکن ان کی حقیقت معلوم کرنا ہمارے فرائض سے خارج ہے اور اسی چیز کے قائل ابن تیمیہ تھے۔ آپ ان امور میں تاویل کو معیوب سمجھتے اور ظاہری مفہوم آیات پہ ایمان لانے کی تلقین فرماتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ تجسیم نہیں بلکہ صراطِ مستقیم ہے

---

۱ الانتقاد الرجیح۔

۲ شرح فقہ اکبر۔

باب ششم

امام کی رحلت

امام سوموار (۱۲ ربیع الاول ۶۶۱ھ) کو پیدا ہوئے تھے اور ۲۰ ذلیقعد ۷۲۸ھ کو سوموار ہی کے دن فوت ہوئے (الرد۔ ص۔۴۸)

قلم۔ دوات۔ کاغذ اور کتابوں سے محروم ہونے کے بعد آپ ہر وقت عبادت و تلاوت میں مصروف رہنے لگے۔ ساڑھے چار ماہ کی اس مدت میں آپ نے اسّی ختم کئے تھے۔ اکاسیواں ختم اس آیت تک پہنچا تھا۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ؁

ترجمہ: (متقی لوگ باغوں اور نہروں کا لطف لوٹیں گے اور اس شہنشاہ پر جبروت کی ہمسائیگی میں ان کی لازوال قیام گاہیں ہوں گی) کہ داعئ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ وفات کے بعد دو علماء یعنی عبداللہ بن المحب اور عبداللہ الذرعی الضریر نے باقیماندہ قرآن ختم کر ڈالا (الرد۔ ص۔۴۹)

خبرِ وفات کا ردِ عمل آپ تقریباً بیس یوم بیمار رہے تھے اور آپ کی وفات سحر کے وقت ہوئی تھی۔ اس اندوہناک سانحہ کا اعلان مساجد کے میناروں اور فصیلِ شہر کے برجوں سے کیا گیا۔ آناً فاناً یہ خبر نہ صرف سارے شہر میں بلکہ گرد و نواح کی بستیوں تک پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق قلعہ کی طرف جانے لگے۔ ان میں آپ کے احباب و اقارب کے علاوہ حکومت کے بڑے بڑے منصبدار بھی تھے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں (الرد۔ ص۔۴۹) کہ میں حافظ ابوالحجاج المزی (۷۴۲ھ) کے ہمراہ قلعہ میں گیا۔ امام کے چہرے سے چادر سرکائی اور ان کے ماتھے کو چوما۔ مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ قید و بند کی صعوبتوں سے ان کے بال سفید ہو چکے تھے

ہجوم رفتہ رفتہ باب القلعہ اور سڑک پہ ہجوم عظیم جمع ہو گیا۔ جامع دمشق میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ ایک گروہ چارپائی کے پاس تلاوت میں مصروف ہو گیا۔ لوگ اندر آتے

آپ کے دیدار سے تبرک حاصل کرتے اور لوٹ جاتے۔ عورتیں آپ کے ماتھے کو رو رو کر چومتیں۔ سہولت کار کے لئے صرف ایک گروہ کو اندر رہنے کی اجازت ملی جن میں حافظ مزی بھی شامل تھے۔ آپ کو غسل دیا گیا۔ غسل والے پانی کو آپ کے فدائیوں نے تقسیم کر کے پی لیا۔
(البدایہ۔ ج۔ ۱۴۔ ص۱۳۶)

تبرک کے لئے آپ کی چند چیزیں لوگوں نے خرید لی آپ کی کنگھی ۵۰۰ دراہم اور پارے والا دھاگا جو جوؤں سے بچنے کے لئے گلے میں ڈال رکھا تھا ۱۵۰ دراہم میں فروخت ہوا

جب جنازہ اٹھا تو تمام بازار اور سڑکیں کثرت ہجوم سے مسدود پائی گئیں۔ اُمراء۔ رؤساء۔ علماء فقہاء۔ پولیس۔ فوج۔ عورتیں اور شہر کے تمام بچے جنازہ میں شامل تھے۔ صرف تین مولوی باقی رہ گئے تھے۔ یعنی ابن جملہ۔ القفغازی (یا قفجازی) اور الصدر جن کی تمام زندگی آپ کی مخالفت میں بسر ہوئی تھی اور جنہیں اس روز جان کا ڈر تھا۔ (الرد۔ ص۵۵ اور البدایہ ج۔۱۴۔ ص۱۳۹)

گریہ وزاری

جب لوگوں کی نگاہیں تابوت پر پڑیں تو ہر طرف سے گریہ وزاری کی دل ہلا دینے والی صدائیں بلند ہوئیں۔ عورتیں چھتوں پر چڑھ کر دہائی دینے لگیں ہر آدمی تابوت کو چومنے کے لئے آگے بڑھا۔ کئی پگڑیاں۔ جوتے۔ رومال اور چادریں راہ میں گر گئیں لیکن بے تابی کا یہ عالم تھا کہ کسی نے ان کی پرواہ نہ کی ہجوم کیوجہ سے جنازہ ایک قدم نہ چل سکتا تھا چنانچہ فوج اور پولیس کو دخل دینا پڑا۔ اور لوگوں کو جبراً ہٹا کر راستہ بنایا گیا۔

جامع بنی اُمیہ سب سے بڑی مسجد تھی اس میں نماز جنازہ کے لئے تابوت اتارا گیا چونکہ لوگ مسجد میں نہیں سما سکتے تھے اس لئے مسجد سے باہر دور تک صفیں آراستہ ہوئیں۔ ہجوم کی اس بے تابی۔ والہانہ شغف اور کثرت کو دیکھ کر کسی دل جلے نے آواز دی۔

هٰكذا تكون جنائز اهل السُّنَّة (البدایہ۔ ج۔۱۴ ص۱۳۸)

(سنتِ رسول ؐ کے پیروؤں کے جنازے یوں ہوتے ہیں)

نمازِ جنازہ

پہلی نمازِ جنازہ قلعہ کے اندر محمد بن تمام کی قیادت میں ادا ہو چکی تھی۔ جامع میں علاؤالدین الخراط نے دوسری دفعہ نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگ مسجد کے دروازوں سے باہر آنا شروع ہوئے۔ اژدحام کی وجہ سے لوگوں کا دم گھٹ رہا تھا۔ مسجد کے چار

دروازے تھے۔ باب الفرادلیس۔ باب الجابیہ۔ باب النصر اور باب الفرج۔ موخر الذکر سب سے بڑا تھا چنانچہ اسی سے جنازہ نکالا گیا۔ ہجوم کی وجہ سے سخت دقت پیش آرہی تھی۔ تابوت ہجوم کے سر پہ تھا جو چند قدم آگے جاکر پھر لوٹ آتا۔ آخر خدا خدا کر کے دمشق سے باہر ایک وسیع میدان میں پہنچا جہاں سہ بارہ نمازِ جنازہ آپ کے بھائی زین الدین عبدالرحمٰن کی قیادت میں ادا ہوئی۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد میں اپنے مکان کی چھت پر جو جنازہ گاہ کے متصل تھا چڑھ گیا تاکہ ہجوم کا اندازہ لگا سکوں۔ میں نے دائیں بائیں ہر طرف میدان پہ نگاہ ڈالی کسی طرف ہجوم کی ابتدار و انتہا نظر نہ آتی تھی۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی انسان ہی انسان نظر آتے تھے۔ (کواکب ص ۲۰۱)

شاملین جنازہ کی تعداد

کتنے آدمی جنازہ میں شامل ہوئے؟ اس سوال کا جواب دشوار ہے۔ اوّل اس لئے کہ اس ہجوم کا شمار آسان نہ تھا۔ دوم۔ اس بے تابی کے عالم میں، ہجوم کو گننے کا خیال ہی کسے تھا۔

زین الدین عبدالرحمٰن بن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) کا اندازہ یہ ہے کہ ۱۵ ہزار عورتیں اور ۶۰ ہزار سے دو لاکھ تک مرد تھے (البدایہ ج۱۴۔ ص ۱۳۶)۔ یہ اندازہ کسی حد تک مضحکہ خیز ہے۔ ۶۰ ہزار اور دو لاکھ میں ایک لاکھ چالیس کا فرق ہے۔ اندازہ میں اتنا فرق نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ چند چیزوں کو دور سے دیکھ کر کوئی کہے کہ یہ تعداد میں پانچ ہیں یا ایک سو پنتالیس۔ اس لئے کہ ۵ اور ۱۴۵ میں بھی ۱۴۰ کا فرق ہے۔

ایک اور جماعت جو جنازہ میں شامل تھی اس کا اندازہ یہ ہے کہ تقریباً ۱۵ ہزار عورتیں اور ۵ لاکھ مرد شامل ہوتے تھے (کواکب ۲۰۱)

ابن قدامہ کے ہاں تعداد کا اندازہ دو لاکھ تک ہے (تذکرہ) اور یہی قول مرجح ہے۔ قاضی القضاۃ عبدالرحمٰن الحنفی کہتے ہیں کہ آپکا جنازہ امام حنبلؒ کے جنازے سے ٹکر کھاتا تھا۔ بہت سے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ امام حنبلؒ کے بعد اتنا شاندار جنازہ نہیں دیکھا گیا۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبلؒ کے جنازہ پہ ۷ اور ۱۰ لاکھ کے درمیان مخلوق جمع ہوئی تھی۔ علم الدین البرزالی (۷۳۸ھ) دو بڑے بڑے جنائز کا ذکر کرتا ہے۔ ایک ابوبکر بن ابی داؤد کا تھا اور دوسرا امام حنبلؒ کا۔

اور کہتا ہے کہ ابنِ تیمیہ کے جنازہ پر اس قدر اجتماع تھا کہ اگر بادشاہ اپنے حکم سے اتنے انسان جمع کرنا چاہتا تو کبھی نہ کر سکتا۔ دارقطنی فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسہل بن زیاد القطان سے اور اس نے عبداللہ بن احمد بن حنبل سے سُنا وہ کہتے ہیں کہ میرے والد فرمایا کرتے تھے۔

(اے بدعتیو! تمہارا اور ہمارا فیصلہ ہمارے جنازے کریں گے (کواکب ص۲۰۱- البدایہ ج۔۱۴۰۔ ص ۱۳۷)

تدفین اس کے بعد آپ کو مقبرہ صوفیہ میں لے گئے اور چوتھی مرتبہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ نمازِ عصر سے ذرا پہلے آپ کو اپنے حقیقی بھائی شرف الدین (متوفی ۷۲۷ھ) کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے لٹا دیا گیا۔ (کواکب - ص ۲۰۱)

زیارت و فاتحہ تدفین کے بعد عرصہ تک لوگ آپ کی قبر پہ دُعا و صلوٰۃ کے لئے جاتے رہے ہر گاؤں میں آپ پہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ یہاں تک کہ مصر۔ دمشق۔ عراق۔ تبریز اور بصرہ میں کوئی قریہ تک باقی نہ رہا۔ چین کے مختلف شہروں میں جمعہ کے روز منادی کرائی گئی۔

الصلوٰۃ علی ترجمان القرآن (قرآن کے مفسّر پہ نماز پڑھو)

چنانچہ ہر جگہ نماز پڑھی گئی۔ امام بُرہان الدین الفزاری آپ کی قبر پہ مسلسل تین روز جاتے رہے آپ انکسار کے خیال سے گدھے پہ سوار ہوتے لیکن آپ کے وقار و جلال سے ہر شخص متاثر ہوتا تھا۔ (البدایہ - ج - ۱۴ ص ۱۳۹) آپ کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے بے شمار دفعہ قرآن ختم کیا گیا (الرّد - ص ۵)

جمال الدین الزملکانی کہتے ہیں جب آپ فوت ہوئے تو میں حجاز میں تھا۔ پورے پچاس دن کے بعد وہاں اطلاع پہنچی اور حجاز کے طول و عرض میں غم و اندوہ کی ایک لہر دوڑ گئی (البدایہ ج ۱۴ ص ۱۳۴) آپ کے متعلق لوگوں نے کئی خواب دیکھے اور برسوں تک دنیا میں آپ کے جنازہ کا چرچا رہا۔ آپ علم و عمل کے اس مقام پہ پہنچے ہوئے تھے کہ آج سات سو سال گزرنے کے بعد بھی آپکی نظیر دنیائے اسلام میں پیدا نہیں ہوئی۔

مراثی امام کی وفات پہ مندرجہ ذیل بزرگوں نے مراثی کہے۔
(۱) قاسم بن عبدالرحمٰن بن نصیر المقری (۲) شیخ مجیر الدین ابوالعباس احمد بن محمد البغدادی۔
(۳) شیخ امام صفی الدین عبدالمومن بن عبدالحق مدرس البشیریہ بغداد (۴) شیخ شہاب الدین ابوالعباس

احمد بن عبدالکریم التبریزی (۵) شیخ زین الدین عمر بن الحسام الشبیلی (۶) تقی الدین محمود بن علی بن محمود بن مقبل الدقوقی البغدادی (۷) سعدالدین ابو محمد سعد اللہ بن نجیح الحرانی (۸) حسن بن محمد النحوی الماودانی (۹) کمال الدین محمود بن اشبر الملیی (۱۰) شمس الدین الحنبلی (۱۱) عبداللہ بن خضر بن عبدالرحمٰن المتیم الرومی (۱۲) شہاب الدین ابوالعباس احمد بن فضل اللہ العمری الشافعی (۱۳) ابوحفص عمر بن الوردی الشافعی۔ (۱۴) امام محمد العراقی الجزری (۱۵) شیخ علاؤالدین ابن الغنام (۱۶) شیخ جمال الدین عبدالصمد بن ابراہیم البغدادی الحنبلی (۱۷) فاضل برہان الدین بن شہاب الدین التبریزی (۱۸) بدرالدین بن عزالدین المغیثی (۱۹) حافظ ذہبی۔

مراثی کی تعداد ۲۵ اور اشعار کی ۱۳۸۴ ہے ان تمام کو نقل کرنا دشوار ہے اس لئے یہاں صرف ایک مرثیہ مع ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

مرثیہ۔ قاسم بن عبدالرحمٰن بن نصیر المقری:

(۱) عظم المصاب وزادت الافکار　　وجرت بحکم فراقک الاقدار

کس قدر بڑی مصیبت نازل ہوئی اور بینائیوں میں کتنا اضافہ ہوگیا کہ مشیتِ الٰہی نے تمہاری جدائی کے احکام نافذ کر دیئے ہیں۔

(۲) یا واحداً فی حلمہ وعلومہ　　خلت البقاع وقلت الانصار

اے علم و حلم میں بے نظیر انسان! تمہارے بعد بستیاں اجڑ گئیں اور یار و مددگار کم ہوگئے

(۳) أعلی تقی الدین یحسن صبرنا　　ولمثلہ تتہتک الاستار

کیا تقی الدین کی موت پر ہم صبر کریں۔ ایسے صدموں پہ بڑوں بڑوں کے پول کھل جاتے ہیں اور وہ بچوں کی طرح چلاتے ہیں۔

(۴) تجری لعظم فراقہ عبراتنا　　اسفا علیہ کانہا امطار

صدمۂ فراق میں ہمارے آنسو موسلا دھار بارش کی طرح جاری ہیں۔

(۵) لھفا علی بحر العلوم وغیضہ　　یحوی الجواہر باہر زخار

افسوس کہ علوم و معارف کا مواج سمندر خشک ہوگیا جس کے دامن میں چمکدار موتیوں کی ایک دنیا آباد تھی۔

(۶) وینال منہ الی القلوب جواھر — والدر من فیہ السنی نثار

اس سمندر سے دِلوں کی دنیا جواہر معارف سے آباد تھی۔ آپ کے دہنِ مُبارک سے سدا موتی جھڑتے تھے۔

(۷) فلہ بتفسیر الکتاب غرائب — کشفت لہ وکذ الک الاخبار

آپ نے قرآن حکیم کے وہ معارف بیان کئے جو آپ پر عیاں ہوئے اور احادیث میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔

(۸) حبر لبیب اوحد فی عصرنا — سل ما تشاء لہ بہ الاخبار

آپ خدا رسیدہ۔ دانا اور یکتا گیتی تھے۔ آپ سے جو جی چاہے پوچھو کہ یہاں علوم کی کمی نہیں۔

(۹) غلب الملوک مھابۃ وشجاعۃ — لیث تھاب لقائہ الکفار

آپ ہیبت و شجاعت میں بادشاہوں سے بڑھ کر تھے۔ وہ ایک ایسا شیر نر تھا جس کا نام سن کر کفار کے چھکے چھوٹ جاتے تھے۔

(۱۰) ما کان الاشامۃ فی شامنا — وعلیہ من تقوی الالہ شعار

آپ مملکت شام میں ایک جبین خال تھے اور ورع و تقویٰ سے آراستہ تھے۔

(۱۱) ولہ من اللہ الکریم عنایۃ — ولہ من الصبر الجمیل دثار

آپ پر خدائے رحیم کی عنایت تھی اور صبرِ جمیل کا لباس زیب بدن تھا۔

(۱۲) ما کان الادرۃ مکنونۃ — لا یعتریہ تدلس وغبار

وہ ایک ایسا دُرِ بے بہا تھا جو کدُورت سے بالکل پاک تھا۔

(۱۳) لایلوین الی الحکام تعففاً — وعلیہ من تقوی الالہ وقار

آپ زہد کی وجہ سے حکام کے دروازوں کا طواف نہیں کیا کرتے تھے۔ تقویٰ کی وجہ سے آپ پر ایک طرح کا وقار طاری رہتا تھا۔

(۱۴) ما کان الاحبرا امۃ احمد — شخصت لعظم مصابہ الانصار

(۱۵) ومجاهد فی اللہ حق جہادہ — بحر الندا و نداءُہ مدرار

آپ نے اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کر دیا۔ سخاوت کے سمندر تھے اور آپ سے سخاوت مُوسلا دھار بارش کی طرح برستی تھی۔

(۱۶) ولہ الزھادۃ والعبادۃ منہج — ولسنۃ الھادی لہ استبصار

زہد و عبادت آپ کا مسلک تھا اور سنّتِ رسولؐ میں آپ کو کمال درک حاصل تھا۔

(۱۷) حاز العلوم فروعھا و اصولھا — وبکل ما یروی لہ ایثار

اصول و فروعِ علوم کے جامع تھے اور آپ نے حدیث کو خصوصیت سے اپنے لئے انتخاب کیا ہوا تھا

(۱۸) یلوی عن الدنیا و عن شھواتھا — وزھدٰہ عنھا الواحد القھار

آپ دنیا و زخارفِ دنیا سے منحرف تھے اور یہ محض خدائی فضل و کرم کا نتیجہ تھا۔

(۱۹) لما اقتناہ ھداہُ منھاج الھدیٰ — وعطاء ربک وافر مدرار

اللہ نے قناعت کی نعمت کے بعد آپ کو راہِ ہدایت دکھلائی۔ خدا کی نعمتیں حقیقتاً بے پایاں ہیں۔

(۲۰) بکت السماء علیہ یوم فراقہ — اسفاً دجاء الغیث والامطار

موت کے دن آسمان رویا اور اس کے آنسو بارش کی صورت میں زمین پر ٹپکے۔

(۲۱) نزل القضاء بہ فآنس رحمۃ — من ربہ لا تدفع الاقدار

قضا۔ پیامِ موت لے کر آئی۔ اور آپ جوارِ رحمت میں پہنچ گئے۔ تقدیرِ الٰہی کو کون روک سکتا ہے۔

(۲۲) اوما نظرت الیہ فوق سریرہ — حفت بہ من ربہ الانوار

کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا تھا کہ تابوت کو تجلیاتِ الٰہیہ محیط تھیں۔

(۲۳) وبکی الشام ومدینہ وبقاعہ — لما قضیٰ وکذالک الامطار

آپ کی موت پر قلمروِ شام، بستیاں، شہر اور دیگر خطے زار زار روئے۔

(۲۴) والناس من باک علیہ محسرۃ — ودموعھم فوق الخدود غزار

لوگ غم و اندوہ کی وجہ سے رو رہے تھے اور ان کے رخساروں پر آنسو جھلک رہے تھے

(۲۵) وھم الوف لیس یحصی جمعھم — الا الاله الغافر الستار!

جنازہ میں ہزار در ہزار انسان شامل ہوئے۔ جن کی صحیح تعداد ربِ ستار و غفار کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

(۲۶) نزلوا به کالبدر فی اشراقه — فتباشرت بقدومه الاقمار

آپ کو لحد میں رکھا گیا تو یوں معلوم ہوا گویا بدرِ کامل ضیاریز ہے۔ آپ عالمِ علوی میں پہنچے تو مہتاب کی دنیا میں بشاشت و مسرت کی تجلیاں دوڑنے لگیں۔

(۲۷) عبدالحلیم وجده سعدوبه — واخوه عبدالله والابرار

اس دنیا میں آپ کے والد۔ بھائی۔ جدامجد اور دیگر مقدس روحوں کو آپ سے مل کر بے حد مسرت ہوئی۔

(۲۸) ولمثل ھذا سارعوا اھل التقی — فازوا بما فازت به الاخیار

اہلِ تقویٰ نے ہمیشہ اسی قسم کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کی اور آخر دولتِ ابرار (ابدی فلاح) حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

(۲۹) اللہ یکرمه بافضلِ رحمة — فی جنة تجری بھا الانھار

اللہ آپ پر نہروں والی جنت میں فضل و رحمت کی بارشیں برسائے گا۔

(۳۰) وکووسھا قدار ھقت وقصورھا — قد اشرقت من فوقھا الاقمار

آپ کے لئے جامہائے شراب اور ایسے محلات مہیا ہوں گے جن میں مہتاب کی ٹھنڈی ضیا پڑ رہی ہو گی۔

(۳۱) وصحافھا من فضة ولباسھم — من سندس وطعامھم اطیار

وہاں برتن چاندی کے اور لباس سندس کا ہو گا اور بھونے ہوئے پرندے کھانے کے لئے نصیب ہوں گے۔

(۳۲) والحور فی تلک الخیام کواکب — الکنھن علی المدی ابکار!

وہاں جنت کی فضاؤں میں بادۂ شباب سے مست ایسی حوریں ملیں گی جو طویل مدت گزرنے کے باوجود باکرہ ہوں گی

(۳۳) وعلی الارائک ینظرون نعیمھم   وعلیھم کاس الرحیق بیدار

اہل بہشت تخت پہ بیٹھ کر الٰہی حسن و جمال کا تماشہ دیکھیں گے اور بادۂ ناب کے دور ختم نہ ہوں گے۔

(۳۴) ووجوھھم کالبدر لیلۃ تمہ   وھل النواظر عند ذالک تمار

ان کے چہرے بدرِ کامل کی طرح چمکیں گے۔ کیا آنکھیں اس وقت بھی مبتلائے شبہ ہونگی؟

(۳۵) ویمتعون بنظرۃ قدسیۃ   من ربھم فیھا العقول تحار

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حیران کن دیدار سے محظوظ ہوں گے۔

(۳۶) بشریٰ لاصحاب الیمین فلیتنا   منھم اذا صرنا الی ما ساروا

دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال لینے والوں کو مبارک ہو۔ کاش مرنے کے بعد ہم بھی ان میں سے ہوں۔

(۳۷) فی سن عیسیٰ والجمال لیوسف   وکطول آدم جنۃ الاخیار

حسنِ یوسفؑ۔ شباب عیسیٰؑ اور قامت آدمؑ اہلِ جنت کو ملیں گے۔ یہ ہے جنت اہلِ خیر کی۔

(۳۸) ثم الصلٰوۃ علی النبی محمد   فھو الرسول المصطفیٰ المختار

اس کے بعد رسول اللہؐ پر صلوٰۃ وسلام ہو جو دنیا بھر میں منتخب ہستی ہیں۔

(۳۹) ھادی الوریٰ وامامھم وشفیعھم   انصارہ الاملاک والاخیار

جو دنیا بھر کے رہنما۔ امام و شفیع ہیں اور ملائک اور اہلِ خیر آپ کے مددگار ہیں۔

(۴۰) صلی اللہ علیہ ما اھتز الثریٰ   فرحًا اذا ما جاءت الامطار

آپ پر اللہ اس وقت تک رحمتیں برساتا رہے جب تک فیضِ سحاب سے زمین کی سطح پر بشاشتیں اور مسرتیں کھیلتی رہیں۔

(۴۱) اکوابھا موضوعۃ وقبابھا   مرفوعۃ حفت بھا الانوار

بہشت میں ان کے برتن قرینے سے سجے ہوئے خیمے لگے ہوئے اور تجلیاں ہر طرف چھائی ہوئی ہوں گی۔

ایک مدحیہ اس خیال سے کہ امام کی داستانِ حیات ایک المیۃ نہ بن جائے آخر میں سعد الدین" محمد سعد اللہ بن نجیح الحرّانی کا ایک مدحیۃ درج کیا جاتا ہے۔

(۱) ایا من مناقبہ فاخرہ ۔۔۔ ویا من مواھبہ غامرہ

اے مناقب فاخرہ اور بے پایاں جود و سخا کے مالک!

(۲) ویا من سحائب افضالہ ۔۔۔ بآمال احبابہ ماطرہ

اے وہ جس کے ابرہائے فضائل سے ہوا خواہوں کی امیدیں برستی ہیں۔

(۳) ویا من لہ ھمۃ لم تزل ۔۔۔ بنجح مقاصد ظافرہ

اے وہ جس کی بلند ہمتِ تکمیلِ مقاصد میں ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔

(۴) ویا من عزائمہ لم تزل ۔۔۔ الی درجات العلیٰ ساترہ

اے وہ جس کی اولوالعزمی ہمیشہ مدارج علیا کی تلاش میں رہتی ہے۔

(۵) ویالیث حرب اذا ما سطا ۔۔۔ تذل لہ الاسد الکاسرہ

اے جنگی شیر! جس کے حملے کی تاب خونخوار شیر نہیں لا سکتے۔

(۶) ویا طود حلم اذا ما جنیٰ ۔۔۔ علیہ الجھول انثنیٰ عاذرہ

اے کوہِ حلم! جب تمہیں کوئی جاہل ستائے تو تم اسے معذور سمجھ کر ایک طرف کو ہٹ جاتے ہو۔

(۷) وان نال منہ لبسوء المقال ۔۔۔ وقبح الفعال عذا غافرہ

تم دشمن کی بدگوئی و اذیت رسانی کا جواب عفو میں دیتے ہو۔

(۸) ویا بحر علم تکاد البحار ۔۔۔ لتفیض من امواجہ الذاخرہ

اے علم کے وہ سمندر جس کی زخار موجوں سے کئی اور دریا نکلتے ہیں۔

(۹) یا من ادلتہ بالنصوص ۔۔۔ لاخصامہ ابدا قاھرہ

اے وہ جس کے دلائل نصّی کے سامنے دشمن ہمیشہ ذلیل ہوتا رہا۔

(۱۰) یا من براھین اقوالہ ۔۔۔ کشمس الضحیٰ اذ بدت سافرہ

اے وہ جس کے دلائل شمس النہار کی طرح جب وہ جو میں معروفِ سفر ہو روشن ہیں۔

(۱۱) ویامن عوارف عرفانہ تفوق علی الانجم الزاھرۃ

اے وہ جس کے جواہر علم روشن ستاروں سے کہیں زیادہ درخشندہ ہیں۔

(۱۲) ویامن مواردُ آرائہ لاعناق اعدائہٖ باترۃ

اے وہ جس کی آراء حلقوم اعدار کے لئے شمشیر براں ہیں۔

(۱۳) ویا قدوۃ تقتدی العارفون بنور ھدایتہ الوافرۃ

اے امام العصر! بڑے بڑے عارف تیرے نور ہدایت کی اقتداء کرتے ہیں۔

(۱۴) ومن صدقہ یھدی الطالبین یُوَیِّدُ باطنہ ظاھرۃ

اے وہ جس کی راست بازی طالبانِ حق کو پیام ہدایت دیتی ہے اور جس کا باطن ظاہر کے مطابق ہے۔

(۱۵) ویاداعیِ الخلق فی عصرہ الی الحق بالحجج القاھرۃ

اے دنیا کو روشن دلائل کے ساتھ سچائی کی طرف بلانے والے!

(۱۶) ویا من مکارم اخلاقہ ذکت بعناصرہ الطاھرۃ

اے وہ جس کی بلندیٔ اخلاق اور پاکیزگی فطرت میں کوئی کلام نہیں۔

(۱۷) ویامن بدائع اوصافہ تعین علیٰ مدحہٖ شاعرۃ

اے وہ جس کے بے مثال اوصاف شاعر کو مدح کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

(۱۸) وماذا عسیٰ یبلغ المادحون من القول بالفطن العامرۃ

تمہارے مداح اپنی زبردست ذہانتوں کے باوجود کہاں تک فصیح البیانی کریں گے اس لئے کہ:-

(۱۹) ووصفک قد اعجز الواصفین وصیّر اذھانھم حائرۃ

وصافت تمہاری ثنا سے عاجز ہیں اور ان کے دماغ چکرا گئے ہیں۔

(۲۰) ولکن ذٰلک جھد المقل فکن بالقبول لہ جابرۃ

لیکن یہ ایک حقیر و بے مایہ سی کوشش ہے۔ منظور فرما کر اسے بیش بہا بنا دیجئے۔

(۲۱) ایا من یُغالِی و یا من دلالی   روائح اخلاقہ العاطرۃ

اے میری آرزو اور اے میرے محبوب! تمہارے معطر اخلاق کی نکہت

(۲۲) بعلیاء حضرتہ دائما   تطیب واردۃ صادرۃ

تمہاری محفل میں ہر آنے جانے والے مشام کو معطر کرے۔

(۲۳) لعمرک ان کان حظی غدا   من اللہ فی دارۃ الاٰخرۃ

تمہاری زندگی کی قسم اگر میرے نصیب ہیں کل قیامت کو وہی کچھ ہوا جو

(۲۴) کما ھو عندک فی ھٰذہٖ   فتلک اذاً کرۃ خاسرۃ

آج آپ کے نصیب میں یہاں دنیا میں ہے تو یہ حقیقتاً ایک افسوس ناک بازگشت ہوگی

بہ عنایت ... (حاشیہ پر ہاتھ سے لکھا ہوا)

حرفِ آخر

اپنے اکابر کے سوانح قلمبند کرنیکا ایک مقصد یہ ہے کہ ہم نسلِ نو کو ماضی سے متعارف کرائیں اور اس علمی و ثقافتی میراث کا امین بنائیں جو ہمارے عظیم اسلاف پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ جو قومیں اس میراث کی نگہداشت نہیں کرتیں اور جنھیں یہ نہیں بتایا جاتا کہ ان کے اسلاف میں کتنے فلسفی، مؤرخ، ادیب شاعر، مصنف، مفسّر اور موجد تھے وہ خود اعتمادی سے محروم ہو کر دوسری اقوام کی حاشیہ بردار بن جاتی ہیں اور انکی پیروی و نقالی کو کمالِ زندگی سمجھنے لگتی ہے ہم اندازاً ڈیڑھ سو برس سے اس مرض میں مبتلا ہیں۔ ہم ملٹن، شیلے اور آسکر وائلڈ سے تو متعارف ہیں لیکن رُومی۔ رازی۔ سینا کندی فارابی ابنِ قیم اور ابنُ الجوزی سے قطعاً ناآشنا ہیں۔ ہم اس بھاٹ کی طرح ہیں جو دوسروں کے نسب نامے تو جانتا ہو لیکن اپنے اجداد سے بے خبر ہو۔

اقوامِ مغرب سیاسی غلبہ حاصل کرنیکے لئے کئی حربوں سے کام لیتی ہیں انمیں سے ایک یہ کہ محکوم کی تاریخ کو یا تو مسخ کر دیتی ہیں کہ اسکے سلاطین کو اوباش۔ اولیاء کو ٹھگ اور علماء کو جہلاء کے روپ میں پیش کرتی ہیں اور یا اس پہ پردہ ڈال کر اپنی تہذیب کا گرویدہ بنا لیتی ہیں۔ پاکستان کے اربابِ قلم کا یہ ملّی فریضہ ہے کہ وہ اپنے عظیم اسلاف کو اس رنگ میں پیش کریں کہ نسلِ نو اپنے ماضی پہ ناز کرنے لگے اور غیروں کی نقالی سے بچ جائے۔

یہ کتاب اسی سمت میں ایک قدم ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور میری نجات کا وسیلہ بنائے۔

والسلام

کتابیات

۱- الکواکب الدریّہ - شیخ مرعی بن یوسف الکرمی الحنبلی۔ مصر ۱۳۲۹ھ

۲- القول الجلی - سید صفی الدین الحنفی البخاری مصر ۱۳۲۹ ہجری۔

۳- الرد الوافر - حافظ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ناصر الدین الشافعی مصر ۱۳۲۹ھ

۴- البدایہ والنہایہ - ابوالفدا اسماعیل بن ابی حفص عمر بن کثیر بیروت ۱۹۶۶ء

۵- امام ابن تیمیہ (قلمی پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔ لاہور) ابوالعباس احمد بن الشیخ ابوبکر الطرانی الکاملی۔

۶- الملل والنحل - ابوالفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر احمد الشہرستانی۔ مصر ۱۹۴۱ء

۷- الفہرست - (اردو ترجمہ) محمد بن اسحاق بن ندیم الوراق لاہور ۱۹۶۹ء

۸- الفرق الاسلامیہ - محمود البشبیشی - مصر ۱۳۵۰ھ

۹- دائرۃ المعارف - فرید بن مصطفیٰ وجدی مصری۔ مصر ۱۹۲۳ء

۱۰- شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام - ایچ اے آر گب اور جے ایچ کریمرز - لائڈن - ۱۹۵۳ء -

۱۱- معجم البلدان - شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت مصر ۱۹۲۳ء

۱۲- معجم الادباء - " قاہرہ ۱۹۳۶-۳۸ء

۱۳- عقود الجواہر - جمیل بیگ العظم - بیروت ۱۳۲۶ھ

۱۴- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگریزی) ہالینڈ ۱۹۵۷ء

۱۵- دائرۃ المعارف اسلامیہ (اردو) جامعہ پنجاب ۱۹۶۲ء

۱۶- سیرت امام ابن تیمیہ - غلام رسول مہر لاہور ۱۹۲۵ء

۱۷- لباب المعارف اسلامیہ - پروفیسر عبدالرحیم پشاور ۱۹۱۸ء

۱۸- علمائے اسلام - نیاز فتح پوری - لکھنؤ ۱۹۵۵ء

۱۹ طبقات سلاطین اسلام - عباس اقبال - تہران ۱۳۱۲ھ

۲۰- امام ابن تیمیہ - پروفیسر محمد یوسف عمری کوکن - مدراس ۱۳۲۶ھ

۲۱- ایضاً (اردو ترجمہ ابوزہرہ مصری) لاہور ۱۹۶۸ء

۲۲- احمد بن حنبل (اردو ترجمہ) ابوزہرہ مصری - لاہور -

۲۳- دربار اکبری - مولانا محمد حسین آزاد - لاہور ۱۹۲۷ء

۲۴- تفسیر الجواہر - علامہ جوہری طنطاوی مصری مصر ۱۳۴۷ھ

۲۵- فتاویٰ - امام ابن تیمیہ - مصر ۱۳۲۶ھ

۲۶- العقیدۃ الواسطیہ - " " ۱۳۲۳ھ

۲۷- نقض المنطق - " " ۱۳۲۳ھ

۲۸- کتاب النبوت " " ۱۳۴۶ھ

۲۹- منہاج السنۃ " " ۱۳۲۲ھ

۳۰- الاختیارات العلمیہ " " ۱۳۲۹ھ

۳۱- حقیقۃ مذہب الاتحادیین " " ۱۳۲۹ھ

۳۲- الرد علی المنطقیین " بمبئی شرف الدین الکتبی

۳۳۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول۔
امام ابن تیمیہ۔ حیدرآباد دکن ۱۳۲۲ھ

۳۴۔ مجموعۃ الرسائل والمسائل۔ " مصر ۱۳۴۹ھ

۳۵۔ کتاب الاستغاثۃ فی الرد علی البکری۔
امام ابن تیمیہ۔ مصر ۱۳۴۶ھ

۳۶۔ الرسالۃ التبعیئیۃ " " ۱۳۲۹ھ

۳۷۔ تاریخ علوم عرب۔ پروفیسرلے آرنکلسن۔

۳۸۔ کتاب العبر۔ ابن خلدون عبدالرحمٰن بن محمد۔ قاہرہ ۱۲۸۴ھ

۳۹۔ الفتوحات المکیۃ۔ ابن العربی۔ محی الدین محمد بن علی
مصر ۱۳۲۹ھ

۴۰۔ وفیات الاعیان۔ ابن خلکان احمد بن محمد مصر ۱۳۱۰ھ

۴۱۔ رحلۃ ابن بطوطۃ۔ تلخیص از محمد فتح اللہ
بن محمود۔ مصر ۱۲۷۹ھ

۴۲۔ الدرر الکامنۃ۔ ابن حجر۔ شہاب الدین العسقلانی
حیدرآباد دکن۔ ۱۳۵۰۔۱۳۴۸ھ

۴۳۔ شذرات الذہب۔ ابن العماد: ابوالفلاح عبدالحی
بن احمد قاہرہ ۱۳۵۱ھ

۴۴۔ فوات الوفیات۔ محمد بن شاکر بن احمد الکتبی
بولاق ۱۲۹۹ھ۔

۴۵۔ العقود الدریۃ۔ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد
بن الہادی بن قدامۃ المقدسی۔ قاہرہ ۱۹۳۸ء

۴۶۔ جلاء العینین۔ محمود شکری بن عبداللہ بہار الدین
آلوسی۔ بولاق ۱۲۹۸ ہجری۔

۴۷۔ اعلام الموقعین۔ ابن حجر: ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن
ایوب الزرعی الدمشقی۔ دہلی ۱۳۱۳ھ

۴۸۔ کشف الظنون۔ مصطفیٰ بن عبداللہ: حاجی خلیفہ۔ استنبول ۱۳۱۰-۱۱ھ

۴۹۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ذہبی: شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن
قیماز بن عبداللہ الدمشقی الشافعی حیدرآباد دکن ۱۳۱۵ھ

۵۰۔ مرأۃ الجنان۔ یافعی: عبداللہ بن اسعد بن علی بن عثمان
حیدرآباد دکن ۱۳۳۷-۳۹ھ

۵۱۔ الجامع الصحیح۔ بخاری: محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ الجعفی۔

۵۲۔ صحیح مسلم۔ ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری۔

۵۳۔ معجم الشیوخ۔ علم الدین ابومحمد القاسم بن محمد بن یوسف
بن محمد البرزالی الاشبیلی الدمشقی۔

۵۴۔ الطبقات الکبریٰ۔ عبدالوہاب شعرانی۔

۵۵۔ الاعلام العلیۃ فی مناقب ابن تیمیہ۔
سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن موسیٰ بن الخلیل البغدادی
الازجی البزار۔

۵۶۔ شرح الاسماء الحسنیٰ۔ غزالی۔ ابوحامد محمد بن محمد الطوسی الشافعی۔

۵۷۔ الرسالۃ النظامیہ۔ امام الحرمین۔ ابوالمعالی
عبدالملک بن عبداللہ الجوینی۔

۵۸۔ الحصین الحصین۔ شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد بن محمد الجزری

زندگی کی کتاب

طبِ نبوی

محمد بن عبدالوہاب

بہار آنے کو ہے

خواصِ لیموں

پھلوں اور سبزیوں کے خواص

ابنِ خلدون

بے زبانوں کی زبانی

کلونجی کے کرشمات
جدید اضافوں کے ساتھ